لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

صحافت کو تعمیری رخ دینے کی ضرورت

صحافت ایک ناقابل انکار حقیقت بن گئی ہے آج ساری دنیا پر صحافت کا غلبہ ہے دنیا کی صحافت نے نت نئے روپ اختیار کر لئے ہیں عالمی صحافت پر جن کا قبضہ ہے انہوں نے اپنے ذہن میں دنیا کا نقشہ بنالیا ہے اور دنیا کو اپنے رخ پر لے جانا چاہتے ہیں اور حقائق کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں ہندوستان اخلاقی اقدار کا حامل ملک ہے اس ملک میں صحافت کو تعمیری صحافت بنانے کا خیال رکھا جائے ایسے حالات میں ملک وقوم کے مفادات کا تحفظ کرنے والی صحافت کو بڑھاوا دیا جائے، جو مغربی کلچر ہمارے ملک میں آرہا ہے اس سے ملک کی قدیم اعلیٰ قدروں والی تہذیب وثقافت کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے، ان حالات میں دانش وروں اور صحافیوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک کو قدیم اعلیٰ اخلاقی قدروں سے منحرف نہ ہونے دیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(۱۱ر جنوری ۲۰۰۴ء کو روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز کے ۳۷ سالہ جشن کے موقع پر ایک خطاب سے ماخوذ)

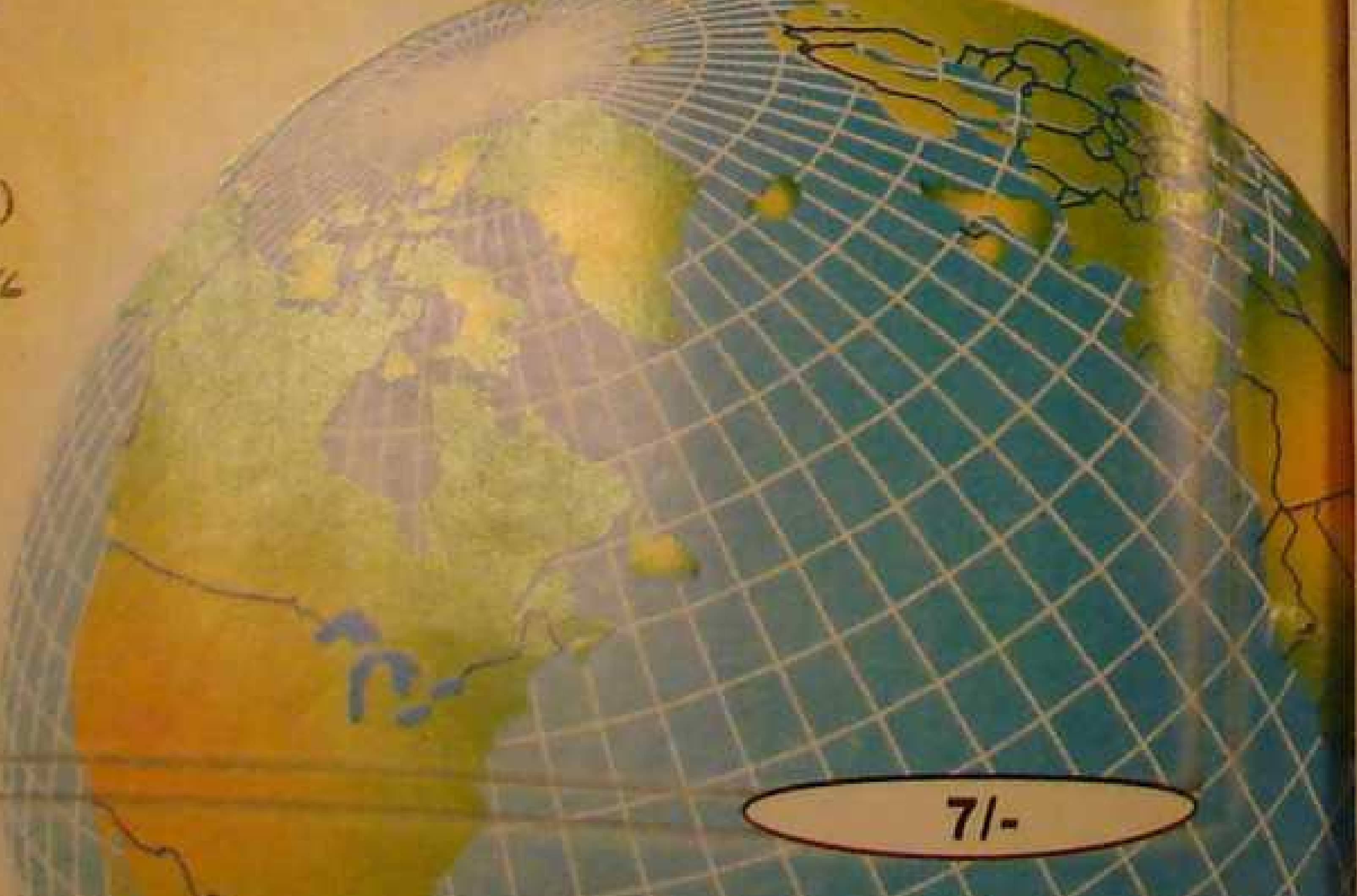

۲۵ر فروری ۲۰۰۴ء

7/-

Postal Regd.No.LW/NP/63/2003 to 2005

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul- Ulama, Lucknow-226007

Vol.2, Issue No. 21

February, 2004

R.N.I.No.UP.URD/2001/6071

ندوہ مہمان خانہ: (0522) 2740151

دفتر اہتمام: 2741272

رابطہ ادب اسلامی: فیکس: 2741221

شعبۂ تعمیر وترقی: فیکس: 2741231

Mob : 3102451

(S) : 0522-2260671

® : 0522-2267429

Mohd. Miyan Jewellers

محمد میاں جویلرس

۱۲ر کپور مارکیٹ، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ-۳

طلباء اور تاجران کتب کے لئے خاص رعایت

تاج

اسلامک جنتری دستیاب ہے۔

طلب کریں۔ قیمت ۔/۵

ہر قسم کے قرآن مجید مترجم، غیر مترجم، حمائل، قاعدے، پارے، پنج سورے، عربی، فارسی، اردو کی درسی، غیر درسی نیز ہائی اسکول انٹر، جامعہ اردو علی گڑھ کی گائیڈ اور گیس پیپر وغیرہ بہترین اور مناسب قیمت میں ہم سے طلب کریں۔

نوٹ: آپ اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ ڈاک بھی طلب کر سکتے ہیں۔

تاج بکڈپو، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Phone : 0522-2274606 (s)

Mobile : 0522-2008348

محمد اکرم جویلرس

Mohd. Akram

Near: Odeon Cinema, Lucknow.

2260433

جدید دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace

گہنہ پیلیس

Whenever You See Jewellery; Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک، لکھنؤ

Resi : 2268177

Mob: 3126122

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop : 2000667

: 9415002532

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow-18

چشمہ ساگر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔

AUTO REFRECTO METER

ایک بار خدمت کا موقع دیں

(ملیگ)

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

......یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اگر وہ اپنے تعلیمی نظام کو، اپنی دینی واخلاقی قدروں اور اپنے ملی تشخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں از خود محنت وفکر کرنی ضروری ہے، اگر اس کی فکر ہم خود نہیں کریں گے تو پھر امت کا اپنے دین پر باقی رہنا دشوار ہوجائے گا، ہم نے ملک ترکستان بخارا وسمرقند میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ سرزمین جہاں جلیل القدر ائمہ وعلماء پیدا ہوئے، امام بخاری کہاں کے تھے؟ اسی بخارا کے تو تھے، ان کے علاوہ اور کتنے محدثین عظام وفقہاء کرام یہاں گزرے، ہمارے یہاں درس نظامی میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر اسی ترکستان کے علماء کی لکھی ہوئی ہیں اور ہم لوگ ان ہی کے سجائے ہوئے دستر خوان کی خوشہ چینی کر رہے ہیں، ہمارا جو تعلیمی نظام چل رہا ہے، وہ ان علماء کرام ہی کا مرہون منت ہے لیکن افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ہم نے وہاں جاکر دیکھا کہ اب وہاں کے رہنے والوں کا دین سے کوئی عملی تعلق اور واسطہ نہیں اور وہ دین سے واقفیت ہی نہیں رکھتے، نماز کیا ہے؟ رکوع کسے کہتے ہیں؟ سجدہ کیا چیز ہے؟ وہ ان بنیادی اصطلاحات ہی سے واقف نہیں مسجدیں سینما گھروں اور جانوروں کے باڑوں میں تبدیل ہوگئی ہیں البتہ وہاں جو بات باقی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نسلاً مسلمان کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے ہم بھی مسلمان ہیں اس بات کو اس مثال سے سمجھئے کہ ہمارے ہندوستان میں بعض لوگ قاضی کہلاتے ہیں لیکن اب قضاۃ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، ان کے دادا، پردادا قاضی رہے ہوں گے تو اگر بخارا وسمرقند میں دینی تعلیمی نظام باقی رہتا تو یہ نوبت نہ آتی یہ تسلسل نہ ٹوٹتا اور موجودہ صورت حال پیش نہ آتی، ان واقعات میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے، ہمارا یہ دینی تعلیمی نظام ہماری اپنی فکر، ہماری اپنی محنت اور ہماری اپنی توجہ سے ہی چلے گا اور باقی رہے گا۔ مدارس کو قائم کرنے والے جیالے اگر نہ ہوتے تو آج نہ یہ دینی تعلیمی نظام ہوتا اور نہ یہ امت بحیثیت امت کے اپنے وجود کو باقی وسلامت رکھ پاتی اس لئے مدارس کی بڑی اہمیت ہے اور ان کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمان اپنے دین پر عمل پیرا ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(۱۲؍جنوری کو جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد میں کی گئی ایک تقریر سے ماخوذ)

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کے ۴۱ واں سال

جلد نمبر-۴۱ ۔ ۲۵؍فروری ۲۰۰۴ء مطابق ۴؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ ۔ شمارہ نمبر-۸

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
• مولانا نذر الحفیظ ندوی • مولانا عبداللہ حسنی ندوی
• مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زر تعاون
سالانہ -/۱۵۰ ——— فی شمارہ -/۷
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر
• ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayaat
Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 2741235 [Ext]18 مہمان خانہ (0522) 2740151
Website : www.nadwatululama.org
e-mail : Nadwa@sancharnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

فکر امروز

جب پوری سوسائٹی کا ضمیر مطلب پرست ہوجائے

موجودہ زندگی کی اصل خرابی یہ ہے کہ پوری سوسائٹی کا ضمیر خودغرض اور مطلب پرست بن گیا ہے، اس کا ایک فرد اپنی غرض کے لئے بے تکلف بڑی سے بڑی بے اصولی کا ارتکاب کر لیتا ہے، اگر وہ کسی شعبہ کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کو خیانت میں باک نہیں، اگر کسی قومی ادارہ کا رکن منتخب ہوتا ہے تو اس کے اپنے حقیر فائدہ کیلئے بڑے سے بڑے قومی وجماعتی فوائد کو پامال کرنے اور دوسروں کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر آباد کرنے میں عذر نہیں، اگر وہ ماتحت ہے تو کام چور، سست کار احساس فرض سے عاری ہے وہ اپنے کسی متوقع فائدہ یا کسی ذاتی رنجش کی بناء پر ایک گھنٹہ کے کام میں بآسانی ایک مہینہ لگا سکتا ہے اور آسان سے آسان معاملہ کو برسوں الجھا سکتا ہے اور اس طرح سے اپنے ذاتی فوائد کے لئے نظام حکومت کو ناکام یا بدنام کر سکتا ہے، اگر وہ صاحب اختیار ہے تو اعزہ نوازی، احباب پروری، بیجا پاسداری اور شخصی یا خاندانی فوائد کی بنا پر صریح بے اصولی کا ارتکاب کرکے ملک وقوم کو نقصان پہنچاتا ہے، اگر تاجر ہے تو دولت میں غیر ضروری اضافہ کرنے کے لئے چور بازاری اور ناجائز نفع خوری کرکے لاکھوں غریبوں کو پیٹ کی مار مارتا ہے اور دانہ دانہ کو ترساتا ہے، اگر وہ روپیہ کا کاروبار کرتا ہے تو سودخوری اور مہاجنی کے ذریعہ صدہا غریبوں کا بال بال قرض میں جکڑ دیتا ہے اور ان کو پیسہ پیسہ کا محتاج بنا دیتا ہے۔

افراد سے بڑھ کر جماعتوں اور پوری پوری قوموں پر خود مطلبی اور خودغرضی کا شیطان مسلط ہوگیا ہے، سیاسی جماعتیں خودغرضی اور خودبینی میں مبتلا ہیں، یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں پر قومی خودغرضی کا بھوت سوار ہے، جس کے پاؤں کے نیچے چھوٹی اور کمزور قومیں سبزہ کی طرح پامال ہوتی رہتی ہیں، اس قومی خودغرضی نے ساری دنیا کو تجارت کی منڈی یا لوہار کی بھٹی بنا رکھا ہے، اور ساری زمین کو ایک وسیع میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے، اس قومی خودغرضی کی خاطر بڑی سے بڑی بے اصولی اور بے آئینی روا ہے، اس کے ادنیٰ اشارے پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بیدریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، ایک قوم پر دوسری قوم کو مسلط کر دیا جاتا ہے، بھیڑ، بکریوں کی طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا جاتا ہے، متحد ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں، یورپ کی اسی قومی خودغرضی نے پہلے عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا اور کل عرب سلطنت کا خواب دکھایا، پھر اسی خودغرضی نے شام جیسے چھوٹے ملک میں چار مستقل حکومتیں قائم کیں، پھر اسی نے یہودیوں کو وطن الیہود کا سبز باغ دکھایا، آج بھی فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اور اس کی گتھی جس طرح الجھتی جا رہی ہے وہ محض امریکہ، برطانیہ اور روس کی قومی خودغرضی کا نتیجہ ہے، ہندوستان میں برسوں میں جو کچھ ہوتا رہا ہے اور پھر آخر میں جس طرح اس امن پسند ملک کو قتل گاہ بنا کر چھوڑا گیا ہے وہ یا تو برطانیہ کی براہ راست قومی خودغرضی کا کرشمہ ہے یا اس کی پیدا کی ہوئی اس بدترین قومی خودغرضی کا جس کا زہر یہاں کی آبادی کے جسم میں برسوں تک سرایت کرتا رہا ہے، مغربی تہذیب اور مغربی سیاست کی لائی ہوئی اس قومی خودغرضی نے ۴۷ء میں یہاں لوگوں کو اتنا اندھا اور دیوانہ بنا دیا کہ ان سے وہ غیر انسانی افعال صادر ہوئے جن کی نسبت سے چوپایوں اور درندوں کو بھی شرم آئے گی اور آدم خور وحشیوں کی گردن شرم سے جھک جائے گی، اور زمانہ آئندہ کا مورخ ان واقعات کی تصدیق میں سخت پس وپیش کرے گا۔ (مفکر اسلامؒ)

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زر تعاون ختم ہوچکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زر تعاون ۱۵۰؍روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ لکھنؤ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارہ میں

نور بصیرت
جب پوری سوسائٹی کا ضمیر مطلب پرست ہو جائے ـــــ مفکر اسلام ـــــ ۱

اداریہ
موسم حج: عبادت کی تکمیل ـــــ مولانا عبداللہ عباس ندوی ـــــ ۳

تعلیم القرآن
خدا فراموشی کی سزا خود فراموشی ہے ـــــ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ـــــ ۴

تعلیم الحدیث
حسد-ایک معاشرتی ناسور ـــــ مفتی محمد تقی عثمانی ـــــ ۶

سخن دلنواز
پاجا سراغ زندگی ـــــ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ـــــ ۷

ادب اسلامی
جگر مرادآبادی ـــــ علامہ سید سلیمان ندوی ـــــ ۹

فکر ابو الحسن علی
مولانا علی میاں بطور اقبال شناس ـــــ ڈاکٹر رفیع الدین ـــــ ۱۱

فکر ونظر
انسانی دستور کی ناکامی کیوں؟ ـــــ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ـــــ ۱۲

حکمت دعوت
دعوت دین کے لئے نبوت کا عملی طریقۂ کار ـــــ مولانا اخلاق حسین قاسمی ـــــ ۱۶

دین فطرت
فقہی اختلاف: اللہ کی حکمت ورحمت ـــــ رابطہ عالم اسلامی ـــــ ۱۸

عظمت قرآن
حقیقت پسند ہندو دانشور اور قرآن مجید ـــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ـــــ ۲۰

اسوۂ حسنہ
مخالفتوں کے طوفان میں دعوت کا آبشار ـــــ مولانا سید سلمان الحسینی ـــــ ۲۲

رد مذاہب باطلہ
اکابر ندوہ اور باطل فرقوں اور تحریکوں کا استیصال ـــــ رسائل اور جرائد کی فائلوں سے ـــــ ۲۴
حیات ونزول مسیح کی حتمی بحث ـــــ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ـــــ ۲۵

اصلاح معاشرہ
دل کی درستگی ایمان کی درستگی ہے ـــــ مولانا خالد غازیپوری ـــــ ۲۷

اخبار و افکار
عالمی خبریں ـــــ ڈاکٹر سید معید اشرف ـــــ ۲۸

رفتار کار
رائے بریلی میں جلسۂ اصلاح معاشرہ ـــــ مولانا محمود حسن حسنی ـــــ ۲۹

نعت رسول ﷺ
اے میرے نبی صدق وصفا! ـــــ نعیم صدیقی مرحوم ـــــ ۳۰

دعوتی سرگرمیاں
تجاویز فکری وتربیتی کیمپ برائے حفاظت دین (ندوۃ العلماء) ـــــ شعبہ دعوت وارشاد ـــــ ۳۱

آخری صفحہ
امارت شرعیہ میں صدر جمہوریہ کی آمد ـــــ ایک رپورٹ ـــــ ۳۲

شعرو ادب
نعت ـــــ جگر مرادآبادی ـــــ ۱۰
تغزل ماجدی ـــــ مولانا دریابادی ـــــ ۱۹

موسم حج: عبادت کی تکمیل

(مولانا) عبداللہ عباس ندوی

حج کا موسم ختم نہیں ہوا اس کی تکمیل ہوئی ہے، اس سے پہلے رمضان کا مہینہ گزرا تھا، اس کے مکمل ہونے کے بعد حج کا موسم شروع ہو گیا، ۲۹، یا ۳۰ شعبان کو ادھر آفتاب غروب ہوا، ادھر مسلمان گھرانوں کی فضا بدل گئی، ادھر تراویح شروع ہوئی ادھر تہجد کی تیاریاں شروع ہونے لگیں، نغمۂ سحرگاہی کے ساتھ ذکر وفکر صبح گاہی کا سلسلہ قائم ہو گیا، اور جیسے ہی یہ دن ختم ہوئے عید الفطر کی نمازیں اور فطروں کی تقسیم شروع ہو گئیں، ان دونوں کے درمیان عید الفطر کا شکرانہ بھی آ گیا، سامنے کی دیکھی ہوئی بات جس میں نہ کوئی فلسفہ ہے نہ ادق مضمون کہ مسلمانوں کی مسرتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ عبادتوں میں اضافہ ہو، عرفات میں پیش قدمی ہو، روزانہ پانچ وقت نمازیں ہیں، عید بقرعید میں چھ وقت کی ہو جاتی ہیں، دو سجدے زائد کر لئے عید ہو گئی، اتنا جچا تلا اور کانٹوں کا تلا نظام کہ عقل انسانی صدیوں ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی نہ پہونچ سکے، آپ کو حکم ملا کہ محلہ کی مسجدوں میں نماز پڑھئے، جمعہ آئے تو شہر کی بڑی مسجدوں میں جائیے، عید آئے تو پورے شہر کے لوگ عیدگاہ میں جمع ہو جائیں اور جب حج آئے تو ساری دنیا کے مسلمان عرفات میں سر برہنہ، دو چادروں میں لپٹے ہوئے اوپر کی طرف ہاتھ پھیلائے دعا کرتے نظر آئیں گے۔ تو اجتماعیت محلہ کی مسجد سے شروع ہوئی اور عرفات میں اس کی تکمیل ہوئی، اور اس کے بعد، ان چھوٹے چھوٹے اجتماعات کا حق ادا کرنے کے بعد جب وہ وقت آئے گا جہاں عظمت وجلال ہر نفس کو اپنی ذات کی طرف متوجہ کرے گا، یہ بیش بہا ترتیب یا تدریجی ارتقاء، دنیا کے کسی مذہب میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی اتنی پکی بات کسی ہیرو نے کہی اور نہ مانے ہوئے حکیم ودانا نے زبان سے نکالی پھر

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج - ۳۷)

"اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہونچتا ہے اور نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے۔"

کہہ کر یہ بھی بتا دیا گیا کہ کھانے پینے کی لذت یا مسرتوں کے چند لمحات صرف تمہارے لئے نہیں بلکہ تمہارے جیسے تمام انسانوں کا حق ہے، یہی تقویٰ ہے اور یہی دین کی آبرو ہے۔

حج کے موسم پھر آئیں گے اور عرفات کا میدان پھر آنسوؤں سے سیراب ہوتا رہے گا یہ مانا کہ ہم نہ ہوں گے لیکن ہماری نسلیں ہوں گی اور پھر آج تک انہی کی نسلیں ہیں جو ڈیڑھ ہزار برس پہلے سے عمل پیرا ہیں۔

عبادتوں کا موسم ختم نہیں ہوا مکمل ہوا ہے، ختم ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ناپید ہو گیا اب اس کا وجود دکھائی نہیں دے گا، لیکن مکمل کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز مکمل ہو گئی۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ/۳)

□□□

تعلیم القرآن

خدافراموشی کی سزا خود فراموشی ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ﴾ (الحشر)

"ترجمہ: ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے خدا کو بھلایا تو خدا نے ان کو ایسا بنا دیا کہ وہ اپنے کو بھول گئے۔"

انسان کو سب سے زیادہ تعلق اپنی ذات سے ہے، تمام دلچسپیوں کا محور و مرکز انسان کی اپنی ذات ہے، گہری نظر رکھئے تو اس کو جس سے محبت ہے اپنی ذات کے لئے، جو اس سے محبت کرتا ہے اس سے وہ بھی محبت کرتا ہے، جس کو اس سے نفرت ہے اس میں ہزاروں خوبیاں ہوں اس سے دل کو لگاؤ نہیں پیدا ہوتا، زندگی کی ساری حرکت، چہل پہل دوڑ دھوپ اسی محبت کے دم سے ہے، جہاں جائے گا اسی کا ظہور پائے گا، ہر محبت کی تہہ میں اسی محبت کی کرشمہ سازی نظر آئے گی، دنیا کی ہر چیز فراموش ہو سکتی ہے، انسان ہر ایک سے غافل اور مشغول ہو سکتا ہے، لیکن نازک وقت میں اپنی ذات سے غفلت نہیں ہوتی اور کٹھن گھڑی میں جب اولاد، متعلقین، اعزہ و احباب سب فراموش ہو جاتے ہیں اپنی فکر رہتی ہے اور انسان اپنی خیر مناتا رہتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے، فطرت انسانی کا خاصہ ہے، اس کے خلاف اگر دعویٰ کیا جائے تو کان کھڑے ہوتے ہیں، کیا واقعی انسان کبھی اپنے کو بھول جاتا ہے اور اس کو اپنی فکر نہیں ہوتی اور سب کی فکر ہوتی ہے؟ اس کو اپنا ہوش نہیں رہتا اور ہر بات کا ہوش رہتا ہے، اس کو سارے جہاں کی فکر ہوتی ہے اور اپنی فکر سے غافل ہوتا ہے، اس کو سب کی جان عزیز ہوتی ہے، اور اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہتا ہے؟ اور یہ کسی بلند مقصد کے ماتحت نہیں، کسی اصول اور کسی نظریے کے ماتحت نہیں، ایثار و قربانی کے جذبے سے نہیں بلکہ یہ خود فراموشی کے عالم میں ایک ذہنی طاعون کے طور پر!

قرآن مجید یہی دعویٰ کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ خدافراموشی کی سزا خود فراموشی ہے، جب انسان خدا کو بھلاتا ہے تو وہ یہ دکھا دیتا ہے کہ پھر اپنے کو بھولتا چلا جاتا ہے، اس پر خود فراموشی طاری ہو جاتی ہے، زندگی کا انہماک بڑھتا چلا جاتا ہے، ساری زندگی انسان کے گرد چکر لگاتی نظر آتی ہے، مگر انسان کسی اور چیز کے گرد طواف کرتا نظر آتا ہے، مقاصد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اور ذرائع و وسائل مقصود بن جاتے ہیں، اشیاء سے براہ راست ایسی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنی ذات بھی بیچ میں سے نکل جاتی ہے، پھر ایک ایسی بحرانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ احساسات ختم ہو جاتے ہیں، لذت و راحت جو دنیا میں ہمیشہ سے بڑے مقصود رہے ہیں، ذہن سے نکل جاتے ہیں، انسان ان سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے اور اس محرومی کا احساس اور اس پر افسوس بھی ختم ہو جاتا ہے، خیالی چیزیں حقیقی چیزوں کی جگہ لے لیتی ہیں، اور انسانی زندگی عجائبات کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے، اور یہ سب اس دور میں ہوتا ہے جب خدا کے بجائے انسان اپنی ذات کی پرستش کرنے لگتا ہے اور اپنے سوا ہر چیز کے انکار پر آمادہ ہو جاتا ہے، لیکن یہ خدافراموشی اور خدا سے یہ بغاوت جتنی ترقی کرتی ہے خود فراموشی، خود دشمنی، خودکشی اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔

تمدن کے شاید کسی دور میں اس آیت کا ظہور اس طرح نمایاں اور صاف طریقے پر نہ ہوا ہو جتنا اس دور تہذیب و ترقی میں، انسان کا اپنی ذات کے معاملات میں انہماک، اپنی ذات سے شیفتگی شاید اتنی کسی زمانے میں نہ پیدا ہوئی ہو جتنی اس زمانے میں، لذت و راحت کے وسائل شاید کبھی اتنے ایجاد نہ ہوئے ہوں جتنے اس دور میں، خود پرستی کا فلسفہ شاید کسی عہد میں ایسا مرتب نہ ہوا ہو اور اس کی اشاعت شاید کبھی اتنے بڑے پیمانے پر نہ ہوئی ہو جیسی اس زمانے میں، اپنے سوا ہر چیز کے انکار کا ذوق اور جوش شاید کبھی اتنا عام نہ ہوا ہو جتنا اس موجودہ سوسائٹی میں، لیکن واقعہ اور دن رات کا مشاہدہ کیا ہے؟ کیا یہ نہیں کہ انسان اپنے حقیقی مسائل سے سب سے زیادہ غافل ہے؟ اپنے انجام سے سب سے زیادہ بے فکر ہے؟ اپنی ذات سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہے؟ حقیقت لذت و راحت سے سب سے زیادہ محروم ہے، زندگی کے ذخیرہ میں اس کا اپنا حصہ سب سے زیادہ کم ہے، وہ روپیہ ڈھالنے کی مشین بن کر رہ گیا جو اپنے ڈھالے ہوئے سکوں سے خود فائدہ نہیں اٹھا سکتی، اس کا حصہ زندگی میں صرف اتنا ہے کہ اس کو اتنا تیل دیا جاتا رہے جس سے وہ چلتی رہے، جذبات و احساسات سے عاری، لذت و الم سے محروم، مسرت و کلفت سے بے خبر ایک بے جان مشین ہے۔

وہ تیلی کا بیل بن کر رہ گیا ہے جو ایک مقررہ دائرہ کے اندر چکر لگاتا رہتا ہے، کام لینے والے سے چارہ پانی پاتا ہے اور بغیر شکوہ شکایت کے چکر لگاتا ہے، آج تمدن و سوسائٹی کے اس چکر میں انسان بھی تیلی کے بیل کی طرح پھرکی کی طرح پھر رہا ہے، تمدن کے ضوابط میں جکڑا ہوا ہے، سوسائٹی کے معیاروں کا پابند ہے، دوسروں کے لئے کماتا ہے، دوسروں کے لئے پہنتا ہے، اور زندگی قائم رکھنے کے لئے اس کو راتب یا راشن ملتا رہتا ہے، وہ ایک قلی بن کر رہ گیا جو دنیا کے اس بڑے کارخانہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑتا پھرتا ہے، بوجھ ڈھوتا ہے، تمدن کی گاڑی چلاتا ہے اور تھوڑی سی مزدوری پاتا ہے، حقیقی لطف و مسرت، اچھی غذا، اچھی ہوا، روح کی شادمانی، دل کے سکون، ضمیر کے اطمینان پیدا کرنے والی معرفت محنت کی لذت سے محروم ہے اور زندگی کا دھارا تیزی سے بہہ رہا اور تمدن کا چکر اس زور کا چل رہا ہے کہ اس کو ان مسائل پر سوچنے کی بھی فرصت نہیں، جسم اتنا تھکا، دماغ اتنا شل، ذہن اتنا مشغول اور دل اتنا مردہ

ہو چکا ہے کہ اس کو اس محرومی اور مدہوشی کا بھی ہوش نہیں، وہ اس دھارے میں تنکے کی طرح بہا چلا رہا ہے، وہ ایک ایسا سوار ہے جو سواری کے قابو میں ہے، سواری اس کے قابو میں نہیں۔

نے ہاتھ میں عنان ہے نہ پائے رکاب میں

خدا فراموشی کی سزا خود فراموشی عجیب عبرتناک ہے، لاکھوں، کروڑوں افراد، پوری کی پوری قومیں، بڑی بڑی سلطنتیں اس خود فراموشی، خودکشی کا شکار ہیں، ایک ذہنی طاعون ہے جو سارے عالم پر مسلط ہے، مگر آنکھ نہیں کھلتی، بجائے خداشناسی کی دعوت کے خدا فراموشی کی تلقین بڑھتی جاتی ہے، خدا سے بغاوت کے جھنڈے ہر طرف بلند ہیں، خود پرستی کی جتنی تبلیغ کی جا رہی ہے خود فراموشی بڑھتی جاتی ہے، زندگی کی نعمتیں اور قلب و روح کی لذتیں چھنتی چلی جا رہی ہیں، مقاصد اٹھائے جاتے ہیں اور وسائل میں الجھا دیئے جاتے ہیں، دولت راحت کے لئے تھی، دولت رہ گئی، راحت لے لی گئی اور اس طرح لی گئی کہ اس کا کہیں نشان نہیں ملتا اور اب لوگوں نے اس کی خانہ پوری بھی دولت سے کرنی شروع کر دی، غذائیں اور دوائیں بڑھ گئیں اور صحت سلب کر لی گئی، تیز رفتار سواریاں اور وسائل سفر راحت و سہولت کے لئے تھے، اب سرعت ہی مقصود بن گئی اور راحت مفقود ہو گئی، قدرتی دشواریاں دور ہوئیں تو قانونی اور مصنوعی دشواریاں خود پیدا کر لیں اور اپنے اوپر مسلط کر لیں، سفر آسان ہوا تو مقصد سفر مشکل ہو گیا، پہلے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا مشکل تھا اب پہنچنا آسان ہے لیکن منزل ڈراؤنی اور مقصد سفر بھیانک ہے، پہلے ایک شہر کے آدمی کا دوسرے شہر کے آدمی سے بات کرنا مشکل تھا اب بات کرنا آسان ہے لیکن اس بات میں کوئی دلکشی اور دل آویزی نہیں رہی، محبت کافور ہو گئی، خون سفید ہو گیا، اغراض کا ہر طرف دور دورہ ہے اس لئے اب بات کر کے کیا دل خوش ہو، پہلے دور افتادہ اور دور دراز کے لوگ آواز کو ترستے تھے مگر اب آواز سننے سے بیزار اور ریڈیو کے جھوٹ اور پروپیگنڈہ سے عاجز ہیں، غرض یہ کہ مقاصد کی خرابی یا طریق استعمال کی خرابی نے ان وسائل و آلات کو بھی بے کار بلکہ عذاب جان اور بلائے بے درماں بنا دیا ہے اور انسانی زندگی بے معنی، بے مقصد، بے روح، بے کیف، بے لذت اور بے حس ہو کر رہ گئی ہے۔

قرآن کا پیغام یہ ہے کہ یہ خود فراموشی نتیجہ ہے خدافراموشی کا، اس کا علاج صرف خداشناسی اور خداطلبی ہے، فرار کے بجائے واپسی، وحشت کے بجائے انس، انکار کے بجائے اقرار و ایمان، بغاوت کے بجائے صلح، اور سرکشی کے بجائے اطاعت و انقیاد، اور خدا سے بھاگنے کے بجائے خدا کی طرف بھاگنے کی ضرورت ہے۔

﴿فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ﴾

☆☆☆

امارت شرعیہ میں صدر جمہوریہ کی آمد

۱۳ر فروری کو امارت شرعیہ کی دعوت پر صدر جمہوریہ ہند عزت مآب ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ تشریف لائے اور ان کے ہاتھوں امارت شرعیہ کے ایم ایم رحمانی پارا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کی نئی بلڈنگ کا افتتاح ہوا، اس موقعہ پر پٹنہ و اطراف کے علماء، دانشوروں، پروفیسر، ڈاکٹر، اسکالر حضرات سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے امارت شرعیہ کی دینی، ملی اور رفاہی خدمات کی سراہنا کی اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ امارت شرعیہ کے اداروں کے طلبہ و طالبات سے دس باتوں پر عمل کرنے کا عہد لیا۔ بحمد للہ اجلاس ہر اعتبار سے کامیاب اور تاریخی رہا۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی و عصری تعلیم کے اہم مراکز

☐ برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا ——— و

☐ برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

☐ اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

☐ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب: - حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ - (بانی و ناظم اعلیٰ)

فون: 0091-755-2543466, 2642715

حسد

ایک معاشرتی ناسور

مفتی محمد تقی عثمانی

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: ایاکم و الحسد، فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب، او قال: العشب (ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد (حدیث/۴۹۰۳)

"حسد" ایک باطنی بیماری ھے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ظاہری اعمال میں بعض چیزیں فرض وواجب قرار دی ہیں، اور بعض چیزیں گناہ قرار دی ہیں، اسی طریقے سے ہمارے باطنی اعمال میں بہت سے اعمال فرض ہیں، اور بہت سے اعمال گناہ اور حرام ہیں، وہ بیماری ہے "حسد" اور یہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اسی بیماری کا ذکر فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو، اس لئے کہ یہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو کھا جاتی ہے، راوی کو شک ہے کہ آپ نے لکڑی کا لفظ بیان فرمایا تھا، یا سوکھی گھاس کا لفظ بیان فرمایا تھا۔ یعنی جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو لگ جائے تو وہ اس کو بھسم کر ڈالتی ہے، ختم کر دیتی ہے، اس طرح اگر کسی شخص میں حسد کی بیماری ہو تو وہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

حسد کی آگ سلگتی رھتی ھے

ایک آگ تو وہ ہوتی ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے، جو منٹوں میں سب کچھ جلا کر ختم کر دیتی ہے، اور ایک آگ وہ ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے سلگتی رہتی ہے، اگر وہ آگ کسی کو لگائی جائے تو وہ آگ ایک دم سے اس کو جلا کر ختم نہیں کرے گی، بلکہ وہ آہستہ آہستہ سلگتی رہے گی، اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو کھاتی رہے گی، حتیٰ کہ وہ ساری لکڑی ختم ہو کر راکھ بن جائے گی۔ اسی طرح حسد ایک ایسی بیماری اور ایک ایسی آگ ہے، جو رفتہ رفتہ سلگتی چلی جاتی ہے، اور انسان کی نیکیوں کو فنا کر ڈالتی ہے، اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری نیکیاں ختم ہو رہی ہیں، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

حسد سے بچنا فرض ھے

لیکن اگر ہم اپنے معاشرے اور ماحول پر نظر دوڑا کر دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ حسد کی بیماری معاشرے کے اندر چھائی ہوئی ہے، اور بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس بیماری سے بچے ہوئے ہیں، اور اس سے پاک ہیں، ورنہ کسی نہ کسی درجے میں حسد کا دل میں گزر ہو جاتا ہے، اور اس سے بچنا فرض ہے۔ اس سے بچے بغیر گزارا نہیں، لیکن ہمارا اس طرف دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا کہ ہم اس بیماری کے اندر مبتلا ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے لئے بہت اہتمام کی ضرورت ہے۔

حسد کی حقیقت

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، چاہے وہ نعمت دنیا کی ہو، یا دین کی، اس نعمت کو دیکھ کر اس کے دل میں جلن اور کڑھن پیدا ہوئی کہ اس کو یہ نعمت کیوں مل گئی، اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ ہے حسد کی حقیقت۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو مال و دولت دیا، یا کسی کو صحت کی دولت دی، یا کسی کو شہرت دی، یا کسی کو عزت دی، یا کسی کو علم دیا، اب دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں ملی؟ اس سے یہ نعمت چھن جائے تو بہتر ہے، اور اس کے خلاف کوئی بات آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی سامنے آتی ہے تو اس سے دل میں رنج و افسوس ہوتا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا، اس کا نام حسد ہے۔

اب اگر حسد کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ حسد کرنے والا در حقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، قادر مطلق پر اعتراض کر رہا ہے، اپنے محسن اور منعم پر اعتراض کر رہا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ خواہش کر رہا ہے کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے، اسی وجہ سے اس کی سنگینی اور خطرناکی بہت زیادہ ہے۔

"رشک" کرنا جائز ھے

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو ایک نعمت حاصل ہوئی، اب اس کے دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہو جائے تو اچھا ہے، یہ حسد نہیں ہے، بلکہ یہ "رشک" ہے، عربی میں اس کو "غبطہ" کہا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ عربی زبان میں اس پر بھی "حسد" کا لفظ بول دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ حسد نہیں، مثلاً کسی شخص کا اچھا مکان دیکھ کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح اس شخص کا مکان آرام دہ اچھا بنا ہوا ہے، میرا بھی ایسا مکان ہو جائے، مثلاً جیسی ملازمت اس کو ملی ہوئی ہے، مجھے بھی ایسی ملازمت مل جائے، جیسا علم اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، ایسا علم اللہ تعالیٰ مجھے بھی عطا فرما دے، یہ حسد نہیں، بلکہ رشک ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، لیکن جب اس کی نعمت زائل ہونے کی خواہش دل میں پیدا ہو کہ اس کی یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ حسد ہے۔

☆☆☆

پا جا سراغ زندگی

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(جامعہ اسلامیہ قلندر پور مظفر پور اعظم گڈھ میں بانیٔ جامعہ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کی دعوت پر گزشتہ دنوں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے طلبہ سے خطاب کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ چمن کا کاروبار چلانے کے لئے معلومات اور علم کی نوعیتیں الگ الگ ہیں لیکن حقیقی علم تو یہ ہے کہ جس کے ذریعہ انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان لے اور اس کی معرفت حاصل کر لے۔ مولانائے محترم نے ندوۃ العلماء کے نصاب کا جو قدیم صالح وجدید نافع کے امتزاج پر مبنی ہے، خصوصیت سے ذکر کیا اور اس طرز پر قائم ہونے والے دینی تعلیمی اداروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی افادیت و اہمیت اب سب پر واضح ہو چکی ہے نیز مدارس کو ماضی میں جس طرح عسرت و تنگی پیش آیا کرتی تھی اب وہ صورت حال بھی الحمد للہ تبدیل ہو چکی ہے البتہ محض وسائل کی فراخی اور فراہمی سے افراد سازی اور کردار سازی کا کام نہیں ہوا کرتا منزل محض تمنا کرنے سے نہیں ملا کرتی بلکہ کوشش و محنت اور فکرمندی سے ملتی ہے اس کے لئے طلب صادق چاہئے، مضبوط قوت ارادی چاہئے عزم راسخ ہو اور نیت خالص ہو تب کہیں جا کر علم کی دولت ملتی ہے ـــــ مولانائے محترم کی اس تقریر میں طویل تدریسی و تربیتی تجربات و مشاہدات کا ماحصل و خلاصہ بھی ہے اور سوز و گداز بھی جو مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے مشعل راہ ہے جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلند پور کے شکریہ کے ساتھ تقریر کا خلاصہ نذر قارئین ہے)

معلومات کا تنوع

انسان کی زندگی اتنی متنوع پہلوؤں کی ہے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عجیب چیز بنایا ہے اور اس کو زمین کا سردار بنایا ہے، سردار کسی جماعت کا ہوتا ہے، کسی ملک کا سربراہ ہوتا ہے تو وہ بہت سی خصوصیات کا مالک ہوتا ہے کوئی اپنے علاقہ یا اپنی جماعت میں بڑا ہے تو اس میں کچھ خصوصیت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر سردار بنایا ہے، اس کے اندر بہت سی خصوصیات اللہ نے رکھی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں پائی جاتیں، ان سارے پہلوؤں سے تعلق رکھنے والی معلومات ہیں، خصوصیات ہیں اور صفات ہیں تو جس پہلو کو بھی لے لیجئے اس کی معلومات بہت ہیں اس کے اوصاف بہت ہیں اور آدمی ان اوصاف کو، ان خصوصیات کو جانتا ہے تو یہ اس کا علم ہے، علم کہتے ہی ہیں معلوم ہونے کو۔ علم معلوم شدہ چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور معلوم کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مصدر بھی ہے اور اسم بھی تو علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم معلومات حاصل کر رہے ہیں، وہ معلومات حاصل کرتے ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اگر ہر پہلو کی معلومات حاصل کی جائے تو وہ اتنی زیادہ ہیں کہ آدمی حاصل ہی نہیں کر سکتا، اس لئے انجینئر انجینئرنگ کی معلومات حاصل کرے گا، ڈاکٹر ہے تو ڈاکٹری کی معلومات حاصل کرے گا، کسان ہے تو کاشتکاری کی معلومات حاصل کرے گا، تاجر ہے تو تجارت کی معلومات حاصل کرے گا تو جس چیز کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے وہ اس کی معلومات حاصل کرتا ہے۔

خدا شناسی کا علم انسان کی بنیادی ضرورت ھے

انسان کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کو پہچانے، اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارے یہ بنیادی چیز ہے اور باقی چیزیں اس کے بعد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں ہمارے لئے فراہم کر دی ہیں جو اس دنیا میں موجود ہیں ہم جب چاہیں اس کو حاصل کر سکتے ہیں لیکن بنیادی چیز جس کے بغیر ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی وہ معلومات ہیں جو اللہ کو راضی کرنے والی ہیں اللہ کے حکم کے مطابق کام کرنے کی معلومات ہیں اور اسی کا نام دین ہے تو دینی معلومات ہمارے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ مدارس اسی لئے قائم کئے جاتے ہیں کہ وہ سامان مہیا کیا جائے جس سے ہم اپنے دین کی معلومات حاصل کر سکیں۔

قدیم صالح و جدید نافع کا امتزاج:

اصلاً یہ مدارس اسی مقصد سے قائم کئے گئے ہیں لیکن چونکہ ہمیں دین کے ساتھ اپنی زندگی کو بھی چلانا ہے اور اپنی زندگی کو بھی استوار کرنا ہے، اسی لئے مدرسوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دونوں چیزوں کو جمع کیا گیا ہے، آپ دینی معلومات بھی حاصل کریں جن سے آپ اپنی آخرت سنوار سکیں اور اللہ کی رضا، اس کی مرضی کے مطابق زندگی کو قائم کر سکیں خود بھی اس پر عمل کر سکیں اور دوسروں کو بھی کرا سکیں اور وہ معلومات اور علوم بھی طلبہ کو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں جن سے وہ اس دنیا میں کام چلا سکیں، وہ معلومات یا علوم جو دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں ان میں تاریخ ہے، جغرافیہ ہے، اور اسی طرح زندگی کا کام چلانے کے لئے حساب ہے، اور اسی طرح دوسری معلومات ہیں جن سے ہم کو سابقہ پڑتا ہے جن کے ذریعہ ہم اپنی زندگی کو درست کر سکتے ہیں، یہ علوم بھی ضروری ہیں، تاکہ ایک صحت مند اور خوشحال انسان کی طرح آپ اپنی زندگی گزار سکیں، تو ہمارا جو نصاب و نظام تعلیم ہے اس میں اس چیز کو بھی رکھا گیا ہے، اسی طرح دوسروں سے بات کرنے اور دوسرے کی بات سمجھنے کے لئے زبان کی اہمیت ہے، جس زبان سے بھی واسطہ پڑتا ہے اس زبان سے ہمیں واقف ہونا چاہئے، آپ دیکھیں گے کہ نصاب میں کئی زبانیں رکھی گئیں جن سے ہم

ہندوستانیوں کو سابقہ پڑتا ہے، عربی سے تو اس لئے کہ وہ ہماری مذہبی زبان ہے، پھر عربوں کی زبان ہے اور اردو زبان ہے، ہندی ہے اور فارسی بھی کسی حد تک ہے، اگرچہ کہ اب فارسی کا رواج نہیں رہا لیکن پہلے رہ چکا ہے، کتابیں بہت سی فارسی میں ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہمارے ان مدارس میں زندگی کی اہمیت وضرورت کو سامنے رکھ کر یہ نصاب بنایا گیا ہے کہ دین کے علوم بھی ہم کو حاصل ہوں اور دنیا کی ضروری معلومات اور علوم بھی ہم کو حاصل ہوں۔

مسئلہ طلب صادق کا ہے

اب مسئلہ سارا اس کا ہوتا ہے کہ آپ اس کو صحیح طور پر حاصل کریں، مدارس کا جو کام تھا وہ انہوں نے کر دیا کہ بہترین نصاب انتخاب کر کے مضامین کو رکھ دیا اور اس کے لئے وسائل مہیا کر دیئے، سکھانے والے پڑھانے والے اور وہ سامان کہ جس سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے وہ سب مدارس نے مہیا کر دیا وہ یہی کر سکتے ہیں لیکن علم کو آپ کے اندر اتار دیں یہ ان کے بس میں نہیں ہے نہ ان کے بس میں ہے نہ آپ کے اساتذہ کے بس میں ہے یہ صرف آپ کے بس میں ہے آپ چاہیں گے تو علم حاصل کریں گے نہیں چاہیں گے تو نہیں حاصل کریں گے آپ دس دس بیس بیس سال تک اگر مدرسہ میں رہیں اور علم حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کریں تو آپ کورے کے کورے یہاں سے جائیں گے، یہ وسائل، یہ اسباب، یہ سامان اسی وقت کار آمد ہوں گے جب آپ علم حاصل کرنا چاہیں اور علم حاصل کرنے کے لئے آپ فکر کریں ورنہ النادی العربی جیسی دس انجمنیں قائم کر دی جائیں اور بہتر سے بہتر استاذ لا کر کھڑا کر دیا جائے ملک میں اس سے بہتر استاذ نہ ہوں اور نہ معلوم کیا کیا انتظامات کر دئے جائیں لیکن اگر آپ کو فکر نہیں ہے علم حاصل کرنے کی تو آپ علم حاصل نہیں کریں گے کورے کے کورے رہیں گے۔

قوت ارادی اور عزم راسخ کی ضرورت

اس لئے بنیادی بات یہ ہے کہ آپ طے کریں کہ ہمیں علم حاصل کرنا ہے اور ہمیں اپنے اندر استعداد پیدا کرنا ہے، علمی صلاحیت پیدا کرنا ہے جب آپ اس کا ارادہ کریں گے اور اس کے مطابق محنت کریں گے تو پھر علم آئے گا آدمی یہاں سے ازہر چلا جائے دنیا کی بہتر سے بہتر یونیورسٹی میں چلا جائے اور وہاں اگر اسے علم حاصل کرنے میں دلچسپی نہیں ہے تو وہاں سے اسی طرح لوٹے گا جس طرح یہاں سے گیا تھا، ایسی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ بیس بیس سال بلاد عربیہ میں رہا ہے آدمی اور کوئی استعداد نہیں پیدا ہوئی اور اسی نے فکر کی تو سال بھر کے اندر نہ جانے کہاں سے کہاں پہونچ گیا، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ جب استاذ ہو گئے تھے اس کے بعد باہر گئے لیکن باہر جانے سے پہلے اسی ملک میں یہیں کے اساتذہ سے اور یہیں کی کتابوں سے انہوں نے عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی کہ عرب ان کی قدر کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے آج مدارس کو اتنے وسائل عطا فرمائے ہیں کہ جس پر لوگ رشک کریں، آج سے پہلے یہ وسائل نہیں تھے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے بڑوں نے کس طرح علم حاصل کیا کچھ تو ایسے ہوں گے کہ چھپروں کے نیچے بیٹھ کر علم حاصل کیا ہوگا اور ایسے بھی ہیں جو غربت کی وجہ سے جاڑوں میں مسجد کی چٹائی میں لپٹ جاتے تھے کہ سردی سے کچھ بچ سکیں اور سردی سر کی طرف سے لگ رہی ہے پیر کی طرف سے لگ رہی ہے چٹائی کہاں تک کام دے گی، اور فاقہ کر رہے ہیں اور علم حاصل کیا۔

اپنے اندر امتیاز پیدا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایسی صلاحیت رکھی ہے جس کو ایک مثال سے سمجھئے، ربڑ کی صلاحیت ہر انسان کے اندر ہے، کھینچئے، کھینچتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ اس صلاحیت کو بڑھائے اور اس سے فائدہ اٹھائے، آدمی نبی تو نہیں بن سکتا اور انسان کے دائرہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتا باقی جتنی ترقی کر سکتا ہے اس دائرہ کے اندر رہ کر کر سکتا ہے بڑے سے بڑا ولی بن سکتا ہے بڑے سے بڑا عالم بن سکتا ہے بڑے سے بڑا خطیب بن سکتا ہے بڑے سے بڑا مصنف بن سکتا ہے بڑے سے بڑا محقق بن سکتا ہے اور بڑے سے بڑا لیڈر بن سکتا ہے، قائد بن سکتا ہے، آپ دیکھئے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے کتنا کمزور اور کتنا معذور ہوتا ہے کہ وہ بتا نہیں سکتا ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے، یا تکلیف ہے، ماں اس کو کسی طریقہ سے سمجھتی ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے یا تکلیف ہے لیکن وہ بڑھ کر کیا ہوتا ہے، بعض وقت اتنا بڑا قائد ہوتا ہے کہ دنیا کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، بعض وقت اتنا بڑا مفکر ہوتا ہے کہ اس کی رائے سے اور اس کے علم سے دنیا مستفید ہوتی ہے اور صدیوں اس کا نام چلتا ہے۔

ترقی کا انحصار آپ کی محنت پر ہے

اللہ نے ہر انسان کے اندر بڑی صلاحیت رکھی ہے ایسی صلاحیت جو بڑھے لیکن کیسے بڑھے گی خود بخود نہیں بڑھے گی بڑھانے سے بڑھے گی جتنا آپ بڑھایئے بڑھتی چلی جائے گی اور ایسے درجہ تک پہونچ جائے گی کہ لوگ حیران ہوں گے کہ ارے یہ کیا ہے کیسی شخصیت ہے کیسا بڑا عالم ہے کتنا بڑا خطیب ہے، لیکن کیسے ہوتا ہے خود بخود نہیں بلکہ محنت کرنے سے ہوتا ہے اپنے کو کھپانے سے ہوتا ہے اور ان وسائل، ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے سے ہوتا ہے ہمارے اسلاف نے معمولی وسائل میں اپنے کو بنایا اور ترقی دی آپ کے لئے تو بہت وسیع میدان ہے، ان سہولتوں کے ساتھ ان انتظامات کے ساتھ آپ معلوم نہیں کیا کیا کر سکتے ہیں تصور کرنا مشکل ہے لیکن انحصار آپ کی محنت پر ہے۔

یاد رکھئے! کہ صلاحیت کی دنیا قدر کرتی ہے وہ شخص ضائع نہیں ہوتا جس میں صلاحیت پیدا ہو جائے جس میں کمال پیدا ہو جائے دنیا مجبور ہے ماننے پر اور اس کی قدر کرنے پر اور اگر آدمی اپنے اندر امتیاز نہ پیدا کرے صلاحیت نہ پیدا کرے تو ایک ایسا عام انسان ہوتا ہے کہ سڑک پر چلا جا رہا ہے کوئی دیکھتا بھی نہیں اور کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کون جا رہا ہے۔

الہ آباد کے ☆☆☆ جناب سخاوت علی خان صاحب انتقال کر گئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

شخصیت

کلیمِ سخن جگر مرادآبادی

علامہ سیّد سلیمان ندوی

اللہ اکبر! بارہ چودہ برس گزرتے بھی کچھ دیر لگتی ہے، بڑی لڑائی کی ہولناکیاں ختم ہو چکی تھیں مگر اُس کے آثار اُس وقت تک نُمایاں تھے۔

ایک صاحب عینکوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے اکثر سیاسی قیدیوں اور نظربندوں سے ملنے جایا کرتے تھے، اور اُن میں سے ایک کی خبریں دوسروں کو پہنچایا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں وہ ایک طرف ایک قیدی کے پاس رانچی اور دوسری طرف ایک آزاد کے پاس اعظم گڑھ آیا کرتے تھے اور ایک کو دوسرے کی نسبت معلومات دیا کرتے تھے، اور اس حیثیت سے غالباً کسی سیاسی حسنِ ظن کی بنا پر وہ اکثر آمد و رفت کی نوازش فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ جب وہ آئے تو اپنے ساتھ ایک نیا تحفہ لائے یعنی ایک شاعر!

اعظم گڑھ ہے تو ایک چھوٹا سا شہر اور دُور اُفتادہ بھی مگر لوگ کبھی کبھی اُفتاں و خیزاں یہاں پہنچ ہی جاتے ہیں اور کچھ قدردان بھی اُن کو یہاں مل جاتے ہیں، خصوصاً مولانا سُہیلؔ اور مرزا احسان احمد جیسے قدرشناس جوہری بھی پورب کے اس اُجڑے دیار میں آباد ہیں (اور ساکنانِ شبلی منزل کا کیا کہنا کہ وہ تو یہاں کے اندھوں میں راجہ بنے بیٹھے ہیں)

یہ نیا تحفہ ایک نوجوان شاعر تھا، ہمہ صفت شاعر، پریشان مُو، پریشان حال، پریشان دل، ہمارے قدیمی عنایت فرما نے اپنے دُوست کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ شاعر بھی ہیں،

اس وقت حاضرین میں مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، اور دوسرے کمرے میں جہاں آواز جا سکتی تھی، پروفیسر عبدالباری صاحب ندوی تھے، اور اُن میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پرسخن فہمی کا مُدّعی اور موجودہ شعراء کے ہر عیب و ہُنر سے واقف، ان عنایت فرما کے اس تعارف نے گُدگُدی پیدا کی اور جی چاہا کہ شاعر سے کچھ سُنا جائے اور اُن کے اس دعوائے سخنوری کا امتحان لیا جائے، سب کی نظریں ایک خاص نگاہ تبسم کے ساتھ شاعر کے چہرے کی طرف اُٹھیں، مگر اُس نے اس ماحول سے بے پروا ہو کر ایک عجیب دردانگیز ترنم، مست لہجے اور سرشار انداز میں ایک غزل کا ترانہ چھیڑا، ایک دو شعر پڑھے تھے کہ سب کو سنبھل جانا پڑا، ذہن کی رَو کو ظرافت سے، متانت کی طرف پھیرنا پڑا، تبسم کی نگاہ میں تحیّر پیدا ہوا، سامعین کے لبوں میں لرزش پیدا ہوئی، لرزش آواز میں، اور آواز اَحسنت و مرحبا کی صدائے تحسین میں بدل گئی، اب تو شاعر کی نسبت جلدی جلدی اپنی رائیں بدلنی پڑیں اور انکار رفتہ رفتہ مگر تیزی کے ساتھ اعتراف کی صورت میں بدلنے لگا، اور تھوڑی دیر میں شبلی منزل کے چھوٹے سے ہال میں شاعر کے تموّج آفرین ترنم کے سوا ہر آواز ساکت اور ہر جُنبش ساکن تھی۔

اختتامِ محفل پر یہ صاحب اُٹھ کر گئے تو ہر ایک نے اپنی اپنی حیرت کا اظہار کیا، جو لوگ ہمارے پروفیسر عبدالباری (عثمانیہ یونیورسٹی) کو جانتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ کس قدر مشکل پسند اور کس دشواری سے کسی پر ایمان لانے والے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ صاحب اس نے کمال کیا ہے اب شہر میں اس شاعر کی شہرت ہوئی، کسی کو اس صاحب کمال کے کمال پر یقین آ گیا تھا اور کوئی اب تک منکر تھا اس پر تو بہرحال سب کو یقین تھا کہ یہ جو کچھ پیش کرتا ہے وہ یقیناً انمول موتی ہیں مگر ان گوہر ہائے شاہوار کا مالک بھی یہی فقیر دلق مرقع ہے، اس میں بہتوں کو شک تھا۔

آخر اس کے امتحان کا وقت آ گیا، ایک مشاعرہ کا میدان ترتیب پایا، بڑے بڑے پہلوانان سخن جو بارہا علی گڑھ کے معرکے جیتے ہوئے تھے، پنجہ کشی اور زور آزمائی کے لیے قدم پھونک پھونک کر آگے بڑھے اور زورِ سخن کے نئے نئے کرتب دکھائے، آخر میں وہ لاغر اندام نو وارد پہلوانی کے ہر گُر سے ناواقف، نمائش اور داد طلبی کی ہر ادا سے بے نیاز، دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے نہیں، بلکہ خود سراپا اثر بن کر جب سامنے آیا تو مصرِ سخن کے سب جادوگر یک دفعہ چلا اُٹھے کہ آمنا برب ھارون و موسیٰ یہ کلیمِ سخن کون تھا؟ جگر مرادآبادی، پھر کیا تھا، حریفوں نے دوست سے بڑھ کر دوست اس کو بنایا، مشاعرے پر مشاعرے ہونے لگے، شاعر ایک تھا مگر اس کے اثر نے ہر خاموش کو شاعر اور ہر شاعر کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا، آخر اعظم گڑھ اور شبلی منزل کی یہی تحسین و آفرین تھی جو داغِ جگر کی دل پذیر شکل میں ملک کے سامنے آئی اور سب نے جگر کو جگر جانا۔

جگر شاعر ہے مگر کیسا شاعر؟ تنہا شاعر بلکہ ہمہ شاعر، ان کا طرز اپنائے زمانہ کے طرز سے الگ، لکھنؤ اور دہلی دونوں حکومتوں سے آزاد، موزوں الفاظ اور دلکش ترکیبوں کے باوجود بے ساختگی اور آمد سے معمور، ہر تکلف، تحقیق اور

آورد سے پاک، طلسمِ الفاظ سے خیالات کی ایک دُنیا بنا کر کھڑی کر دینے والا، موجودہ شعراء میں اس کے اس وصف میں اگر کوئی شریک ہے تو وہ فانی ہے، سادگی اور بے تکلفی حسرت کی بھی خصوصیت ہے مگر اس کی سادگی میں کشش ہے، بناؤ نہیں، جگر کا کمال یہ ہے کہ سادگی اور تکلف کی ہر شان سے بے نیازی کے باوجود، اس میں بیحد فطری آرائش اور از خود نمائش حُسن ہے۔

معنوی لحاظ سے جگر جہاں کھڑا ہے، تنہا کھڑا ہے، مستی اور سرشاری، تاثر اور دل فگاری اس کے ہر مصرع کی جان ہے، اس کا یہ اثر اس لیے نہیں کہ واعظینِ خوش مقال کی طرح وہ مجلس کو رُلانے کے لئے شُہدائے کربلا کے دامن میں پناہ لے، یا آج کل کے بعض طالب اثر شاعروں کی طرح نہیں جو لاش و مدفن و سورہ یٰسین و نوحہ و بین و میت و نزع وغیرہ کا ایک تیرِ کند صفت پھینک کر بالقصد مرغِ اثر کو شکار کرنا چاہتے ہیں اور آخر لسان الغیب حافظ کا طعنہ سنتے ہیں۔

برو این دام بر مُرغِ دگر نہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

جگر کی شاعری کے معنوی خیالات بہت مختصر ہیں، وہ انہیں اُلٹ پلٹ کر دہراتے رہتے ہیں مگر وہ جب کہتے ہیں تو سننے والوں کو وہ بات نئی معلوم ہوتی ہے، ہر فطری شاعر کا رنگِ مذاق یہی ہوتا ہے کیونکہ وہ وہی کہتا ہے جو محسوس کرتا ہے، وہ نہیں کہتا جو دوسرے محسوس کرتے ہیں، اور جس طرح ہر شخص کا فطری رنگِ طبیعت خاص ہوتا ہے کہ وہی اس سے تراوش کرتا ہے، اسی طرح شاعر کا فطری رنگ بھی ایک ہوگا جو ہر جگہ وہ یکساں ہی ظاہر ہوگا، البتہ وہ لوگ جو اپنے دل کی نہیں دوسروں کی کہتے ہیں، وہ ہر رنگِ محفل اور ہر ذوقِ دل کی نمایندگی کرتے ہیں، مگر وہ اس لحاظ سے شاعر نہیں بلکہ ایک پیشہ ور خطیب و واعظ ہیں۔

فارسی غزل کا بہترین نمونہ حافظ کا کلام ہے مگر اس کو ہر صاحبِ نظر محسوس کرتا ہوگا کہ حافظ کے خیالات میں نیرنگی نہیں، طرزِ بیان میں نیرنگی ہے، وہی چند بندھے ہوئے خیال ہیں جو حافظ کی ہر غزل میں ظاہر ہوتے ہیں، مگر ہر غزل اپنے طریقِ اظہار اور طرزِ تعبیر میں الگ ہے، ایک ہی خیال سو سو طرح اس میں ادا ہوتا ہے، مگر ہر جگہ اس کی شان نرالی اور طرز نئی ہے، یہی حال خیام کی رباعیوں کا ہے، چند خیالات ہیں جو ہر دفعہ نیا قالب بدل کر اور نئی شکل میں جلوہ گر ہو کر سامنے آتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ یہ وہ شاعر ہیں جو الفاظ و تراکیب کے حُسن کے باوجود صرف ان چیزوں کو کمال نہیں جانتے، بلکہ ان کے اندر چند حقیقتیں مرکوز رہتی ہیں، وہی رہ رہ کر اُبھرتی، اور نالۂ موزوں کی صورت اختیار کرتی ہیں، جگر کی شاعری میں نہ زلف و شانہ ہے، نہ سرمہ و آئینہ، نہ ہوسِ بالائے بام، نہ شکایتِ منظرِ عام، نہ اس کے کاشانۂ خیال میں چشمہائے بسمل کی آئینہ بندی ہے، نہ اس کے محبوب کے ہاتھوں میں قصاب کی چھری اور جلاد کی تلوار ہے، نہ اس کے کوچہ میں شہدا کے دل و جگر کی گلکاری ہے، وہ مست ہے اور اسی مستی میں کسی نادیدہ کا سراپا مشتاقِ نظر ہے، وہ اس کے حجابات کو اپنے رعشہ دار ہاتھوں سے بار بار اُٹھا دینا چاہتا ہے، مگر نہیں اُٹھا سکتا، وہ جھانک کر دیکھنا چاہتا ہے، مگر نہیں دیکھ سکتا، اس کی تمنا کی آنکھیں اس کو کبھی بے حجاب دکھا دیتی ہیں تو وہ ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہتا ہے مگر وہ تصویر نگاہوں سے غائب ہوتی ہے۔

جگر مستِ ازل ہے، اس کا دل سرشارِ الست ہے، وہ محبت کا متوالا ہے، اور عشقِ حقیقی کا جویا، وہ مجاز کی راہ سے حقیقت کی منزل تک اور میخانہ کی گلی سے کعبہ کی شاہراہ کو اور خم خانہ کے بادۂ کیف سے خود فراموش ہو کر بزمِ ساقیِ کوثر تک پہنچنا چاہتا ہے۔

جگر بہ ظاہر سرشار، مگر در حقیقت بیدار ہے، اس کی آنکھیں پُر خمار، مگر اس کا دل ہشیار ہے اور کیا عجب کہ خود جگر کو بھی اپنے دل کی خبر نہ ہو، اگر ایسا نہ ہوتو اس کے کلام میں اثر نہ ہو۔

دوستاں عیب نظر بازیِ حافظ مکنید
کہ مَن او راز محبانِ خدا می بینم

شبلی منزل اعظم گڑھ (۷ / مئی ۱۹۳۲ء)

نعت

جگر مراد آبادی

اِک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ
تو صبحِ ازل آئینۂ حُسنِ ازل بھی
اے صلِّ علیٰ صورتِ سلطانِ مدینہ
دامانِ نظر تنگ و فراوانیِ جلوہ
اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ
اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدّق
تو خلد ہے، تو جنّتِ سلطانِ مدینہ
اِس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ
اِک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید
صدقے ترے اے صورتِ سلطانِ مدینہ
کونین کا غم، یادِ خدا وردِ شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ
اے عالمِ تکویں! ترے اسرارِ حقیقت
منجملۂ یک آیتِ سلطانِ مدینہ
ظاہر میں غریب الغربا، پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ
اس اُمّتِ عاصی سے نہ مُنھ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ
اے جانِ بلب آمدہ ہُشیار و خبردار
وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ
کچھ ہم کو نہیں کام جگر! اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

مولانا علی میاں بطور اقبال شناس

ڈاکٹر رفیع الدین

مولانا علی میاں کی قلمی کاوشوں پر نظر ڈالیں تو ایک حیرت انگیز تنوع کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے قرآن، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ، سوانح، تعلیم، تہذیب کے متعدد موضوعات پر مضامین نو کے انبار لگا دیئے، لیکن اس کثرت و وسعت کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف اپنے مفاہیم و معیار کے اعتبار سے علمی و فکری اور معنوی اعتبار سے گراں قدر اور بلند پایہ ہیں۔ مولانا کی قلمی تگ و تاز کا ایک شعبہ علامہ اقبال کے فکر کا مطالعہ بھی ہے۔ فکر اقبال کے بعض پہلوؤں سے متعلق بعض مختصر تاثرات و شذرات کے علاوہ انہوں نے عربی زبان میں روائع اقبال شائع کی، جس کا اردو ترجمہ (از مولانا شمس تبریز خاں) ''نقوشِ اقبال'' کے نام سے شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکا ہے۔

''نقوشِ اقبال'' اقبالیات کی منتخب اور معیاری کتابوں میں سے ہے اردو زبان و ادب اور اقبالیات کے طلبہ کے بعض نصابات میں بھی شامل ہے۔ مولانا علی میاں نے اقبال کی روح کو جس خوبی و خوب صورتی سے اس کتاب میں پیش کیا ہے، اس کی داد چوٹی کے ادیبوں اور نقادوں نے دی ہے۔ جناب رشید احمد صدیقی کے خیال میں مولانا ابوالحسن علی ندوی ''پہلے عالم دین ہیں جس نے موجودہ صدی کی اردو شاعری کے سب سے بڑے نمایندہ اور عظیم شاعر اقبال کی شاعری اور شخصیت کا مطالعہ غیر معمولی شوق و بصیرت سے کیا ہے..... سید صاحب کا ذہن جدید ذہن کے تقاضوں سے آشنا ہے۔''
معروف شاعر اور ادیب ماہر القادری نقد و انتقاد میں کسی سے رو رعایت نہیں برتتے تھے۔ تبصرہ کتب کے ضمن میں ان کی شہرت ایک کھرے مبصر کی تھی۔ انہوں نے ''نقوشِ اقبال'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ''فاضل مصنف نے جس نزاکت اور دیدہ وری کے ساتھ اقبال کے اشعار کی تشریح و ترجمانی کی ہے، اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شبلی کا قلم، غزالی کی فکر اور ابن تیمیہ کا جوش و اخلاص تصنیف میں کارفرما ہے...... اقبال پر بڑی اچھی کتابیں آئی ہیں مگر یہ کتاب اس مجاہد عالم کی لکھی ہوئی ہے، جو اقبال کے مردِ مومن کا مصداق ہے۔''

ماہر القادری نے آخری جملے میں جو بات کہی ہے وہ بڑی اہم اور معنی خیز ہے۔ ذخیرۂ اقبالیات میں بہت کچھ رطب و یابس ملتا ہے۔ کام کی چیزیں کم ہیں اور معیاری کتابیں تو بہت ہی کم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشتر اہل قلم نے جو کچھ لکھا، وہ محض ایک رسم و روایت نباہنے کے لئے لکھا، اس کے برعکس مولانا علی میاں نے جو کچھ لکھا، وہ ایک خاص عقیدت کے ساتھ ایمانی وابستگی اور اقبال کے ساتھ ایک فکری و معنوی اور قلبی و ذہنی ہم آہنگی کی بنیاد پر لکھا، چنانچہ ''نقوشِ اقبال'' کا مطالعہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ ''اقبال کی فکر اور روح اس طرح گھل مل گئی ہیں جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی۔'' (ماہر القادری)

حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کی متن پر نقد و انتقاد کے گل بوٹے سجانا اور تجزیہ و تحلیل کے نام پر طول طویل مضمون باندھنا اور کتابوں کے انبار لگانا بلاشبہ ایک طرح کا کمالِ فن اور ہنرمندی کی بات ہے۔۔۔ مگر فکر اقبال کی روح کو اپنے اندر جذب کر کے، اور ان کی شاعری کا صحیح فہم و تفقہ حاصل کر کے، اقبال کی ترجمانی اور ان کے پیغام ''حیاتِ ابدی'' کا ابلاغ بالکل ایک مختلف چیز ہے۔۔۔ اقبالیات کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے راقم السطور کا احساس ہے کہ مولانا علی میاں امت مسلمہ کے بارے میں علامہ اقبال کی تمناؤں اور آرزوؤں کے نقیب تھے۔ ''بالِ جبریل'' کی نظم ''ساقی نامہ'' میں علامہ کہتے ہیں:

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز
اُمنگیں مری، آرزوئیں مری
امیدیں مری، جستجوئیں مری
مری فطرت آئینۂ روزگار
غزالانِ افکار کا مرغزار
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

مولانا علی میاں، اسی ''متاعِ فقیر'' کے امین تھے۔ راقم السطور کی طرح جن اصحاب نے بھی مولانا کی تحریروں کا کچھ نہ کچھ مطالعہ کیا ہے، انہیں اندازہ ہوگا کہ مولانا کے لفظوں، جملوں اور انداز و اسلوب میں علامہ ہی کے قلبِ مضطر اور انہی کی امنگوں آرزوؤں، امیدوں اور انہی کے سوزِ جگر کا عکسِ جمیل نظر آتا ہے۔ مولانا کی تصانیف، تقاریر، خطابات اور ان کی خودنوشت ''کاروانِ زندگی'' اقبال کے معنوی فیض سے معمور ہے۔

علامہ اقبال سے علی میاں کا ذہنی ربط دس برس کی عمر میں قائم ہوا، کلام اقبال کے مسلسل مطالعے سے یہ ربط نشو و نما پاتا رہا۔ ان کے عزیز دوست مسعود عالم مولانا علی میاں کے بقول علامہ اقبال کے ''بڑے پر جوش مبلغ تھے'' اور ''اقبال کے بارے میں حمایت حمیت تک پہنچی ہوئی تھی''۔ اسی زمانے سے دونوں دوستوں نے اقبال کو عربوں میں متعارف کرانے کا عزم کر لیا۔ علامہ کی وفات پر یہ عزم اور پختہ ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

انسانی دستور کی ناکامی کیوں؟

مسئلہ کا حل دین کی ضرورت واہمیت کو تسلیم کرنے میں ہے

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

(...لانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم کی اس موقع پر خاص طور سے یاد آتی ہے جب ندوہ کی شوریٰ کے اجلاس ...ن قریب آتا ہے۔ یاد آتا ہے کہ مولانا مرحوم شوریٰ میں نہ صرف تشریف لاتے تھے بلکہ ہم طلبہ سے ...ب بھی فرماتے تھے، علمی وفکر انگیز خطاب! یاد ہے کہ ایک ایسے ہی موقع پر حضرت مولانا علی میاں ...ب نے فرمایا تھا کہ مولانا اکبرآبادی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق آنے والوں دنوں میں تم ...ہہ سکو گے کہ ان آنکھوں نے مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو دیکھا ہے۔ اب جب کہ شوریٰ کے اجلاس ...ریاں ہورہی ہیں، مولانا اکبرآبادی مرحوم کی باتیں، تقریریں اور ان سے طالب علمانہ ملاقاتیں یاد ...ہیں۔ اسی مناسبت سے پیش ہے مولانا مرحوم کا ایک فکر انگیز مضمون جو قدرے طویل تو ہے مگر جس کی ...وشادابی آج بھی برقرار ہے۔)

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ایک دستور، آئین یا ...معاہدہ کی رسمی پابندی کا اعلان انسانی معاشرہ کو ...ن وعافیت کی وہ نعمت وراحت بخش دیتا ہے جس ...یہ سب کچھ کیا گیا تھا؟ غالباً اس سوال کا جواب ...آسان ہے کبھی نہ ہوا ہوگا، آج مجلس اقوام متحدہ ...ت پوری دنیا ایک مشترک دستور کے رشتہ سے ...ئی ہے، لیکن اس کے باوجود پوری انسانی آبادی ...تا ہے کہ آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہے اور کوئی نہیں ...کہ کب یہ پہاڑ پھٹ پڑے گا اور آدم وحوا کے ...بیٹیوں کو ہلاکت وبربادی کے کس قعر عظیم میں ...ے گا، ارباب جاہ وثروت عشرت وراحت کی خود ...وں میں اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ...ارضی کے اوپر بسنے والے ایک ایک انسان کا ...دیکھو اس کی تہ میں غم، اضطراب اور تشویش وفکر ...دبی ہوئی لہریں ملیں گی، آج کا دن اگر خیریت ...یا تو نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا! اس نے اپنی عقل ...کے ناخن سے... فطرت کی قبا کا ایک ایک بند ...طبعیات کے سربستہ اسرار کی ایک ایک گرہ کھول ...دی ہے، لیکن اب وہ اپنی فتوحات پر نازاں نہیں ...پشیماں ہے کیونکہ جن چیزوں کو اس کی عظمت و

رفعت کا سب سے بڑا نشان ہونا چاہئے تھا وہی اب اس کی زندگی، اس کی حیات قومی، اس کی تہذیب وتمدن اور اس کے ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن گئی ہیں اور ان چیزوں کی ایجاد واختراع میں اب اس کا قدم ایک ایسی منزل میں پہنچ گیا ہے کہ وہ پیچھے بھی نہیں لوٹ سکتا، گویا عہد حاضر کے انسان نے اپنی غیر معمولی اور حد درجہ حیرت انگیز عقلی ترقیات کے ہاتھوں اپنے لئے حفاظت و امن کے جو قلعے تعمیر کیے تھے سرانجام پہونچنے پر پتہ چلا کہ وہ درحقیقت قلعے نہیں تھے بلکہ ہلاکت وبربادی کی بارود کی ایسی سرنگیں تھیں جو اس نے اپنے چاروں طرف بچھالی ہیں اور جو اپنے عمل میں صرف ایک دیا سلائی کے تنکے کی محتاج ہیں، پھر یہ دیکھو کہ ان سب قوموں نے جس معاہدے پر دستخط کیے ہیں اور انسانی حقوق کے جس چارٹر کی متفقہ طور پر حمایت کی ہے اس کی دفعات کیا ہیں؟ یہی کہ سب انسان برابر ہیں کسی ایک قوم کو دوسری قوم پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، کسی ایک انسانی گروہ کو اس کی آزادی نہیں ہوگی کہ وہ اپنی طاقت و قوت کا ناجائز استعمال کرکے کسی دوسرے گروہ کے کلچر، تہذیب وتمدن اور اس کی قومی روایات کو پامال کرے، جو قومیں اقتصادی اور معاشی اعتبار سے پست و

زبوں حال ہیں ان کی مدد کی جائے گی، اور جو جہالت کا شکار ہیں ان کو زیور علم سے آراستہ کیا جائے گا جن کا معیار زندگی پست ہے انہیں اوپر اٹھایا جائے گا کون کہہ سکتا ہے کہ اگر اس معاہدہ وحلف نامہ کی ان دفعات پر واقعی عمل ہو تو یہ دنیا کم از کم چند روزہ زندگی کے لئے تو جنت آباد نہیں بن جائے گی لیکن نتیجہ برعکس نظر آتا ہے اور دنیا روز بروز جہنم زار بنتی جارہی ہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے اسباب و وجوہ گوناگوں اور چند در چند ہوسکتے ہیں لیکن اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اس ناکامی و نامرادی کا ایک ہی خاص سبب ہے اور وہ یہ کہ ان تمام معاہدہ کرنے والوں نے کسی اپنے سے اور سب سے بالاتر ہستی کے سامنے اپنے عہد وپیان پر قائم رہنے اور اپنے قول میں صادق اور ثابت قدم رہنے کا عہد نہیں کیا ہے، یہ سب معاہدے ایک قوم کے دوسرے قوم کے ساتھ دنیا کی سب قوموں کے آپس میں متفقہ معاہدے ہیں جو کسی ڈر یا خوف یا کسی منفعت اور فائدہ کی بنا پر کئے گئے ہیں اس لئے جب وہ خوف یا ڈر یا منفعت ومفاد جو اس معاہدے کے لئے اصل بنیاد کا حکم رکھتا تھا کسی ایک خاص قوم کے حق میں مضمحل ہوجاتا ہے تو اس معاہدہ کے شرائط ودفعات کی پابندی میں بھی خود بخود اضمحلال پیدا ہوجاتا ہے، چنانچہ جو لوگ زبان سے جمہوریت اور مساوات کا نعرہ لگارہے ہیں ان کے ہاتھوں کو دیکھو خون سے رنگین نظر آئیں گے جو امن وامان اور صلح وآشتی کے لئے آج سب سے زیادہ بیقرار اور اس کے سب سے بڑے علمبردار ہیں ان کے اعمال کا جائزہ لو معلوم ہوگا کہ جنگ کی آگ بھڑکا دینا ان کے دل کی سب سے بڑی تمنا ہے جنھیں دنیا کی پسماندہ اقوام کو مرفہ الحال بنادینے کے عادی ہیں انہوں نے اقتصادی غلامی کا ایک ہمہ رنگ زمین دام بچھا رکھا ہے، قول اور عمل میں یہ عدم مطابقت، ظاہر وباطن کی یہ مخالفت، صرف اس لئے ہے کہ ان قوموں کا مرکز اطاعت قومیت اور وطنیت ہو یا جماعتی مفاد وعصبیت، بہرحال ایک ایسی چیز ہے جو بنی نوع انسان کی وحدت میں رخنہ پیدا کرتی ہے اور جو ایک ہی

نوع کے افراد کو مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں تقسیم کردیتی ہے، یہ بت جن کو ان قوموں نے اپنا مرکز اطاعت قرار دیا ہے خود انہیں کے ہاتھوں کے تراشیدہ اور انہیں کے ذہن وفکر کے آفریدہ ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ان کو اپنے کسی عمل پر نہ احتساب کا اندیشہ ہے اور نہ کسی فعل پر باز پرس کا خوف! مفاد پرستی ان کے عمل کا سب سے بڑا محرک، سب سے بڑا ضابطہ اور سب سے زیادہ موثر آئین حیات ہے اس لئے وہ اعلیٰ کیرکٹر اور وہ بلند کردار جو کسی اعلیٰ ترین قدر حیات کے ساتھ وابستہ ہونے سے ہی پیدا ہوسکتا ہے اس کی توقع ان سے کیونکر کی جاسکتی ہے۔

اعلیٰ قدر حیات

یہ وہی اعلیٰ قدر حیات ہے جس کے فقدان کو حکیم مشرق اقبالؔ نے لادینی افکار کہا ہے۔

مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام

اور یہ ہی لادینی افکار ہے جس کے باعث عہد حاضر کا انسان اگرچہ سورج کی کرنوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے لیکن وہ خود اپنے من کی دنیا کو اجاگر نہیں کرسکا ہے۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

افکار میں دینیت کا ہی دوسرا نام خدا کو مرکز اطاعت ماننا ہے، اس کا لازمی اور نفسیاتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نظر میں بلندی اور عالی حوصلگی پیدا ہوتی ہے، فکر روشن اور دماغ منور ہوتا ہے، ظاہر وباطن یکساں ہوجاتے ہیں، قوم اور عمل میں مطابقت ہوتی ہے، زندگی میں سوز وساز اور جذب شوق کی تخلیق ہوتی ہے، انسان اپنے آپ کو اپنے ہر ارادہ نیت اور اپنے ہر فعل وعمل کا جواب دہ ایک ایسی ہستی کے سامنے سمجھتا ہے جو حی وقیوم اور خالق ورب کائنات ہے، وہ ہر نیک عمل کو اپنا فرض سمجھ کر کرتا ہے، کسی خوف یا لالچ سے نہیں کرتا، اسے جہاں پولیس کا کسی

دنیاوی قانون یا عدالت کا خوف نہیں ہوتا اس سے وہاں بھی جرم کا ارتکاب تو کیا اس کا تصور تک نہیں آتا، اگر خدا مرکز اطاعت نہ ہو تو زندگی میں نہ کیف پیدا ہوتا ہے اور نہ توازن جذبات میں نہ سچائی اور راستی پیدا ہوتی ہے اور نہ عمل میں قوت اور ارادہ میں مضبوطی زندگی اس ساز کی طرح ہوتی ہے جس میں نغمہ نہ ہو گل ہوتی ہے مگر بے رنگ وبو، ایک صدا ہوتی ہے مگر بے معنی اور بے مطلب۔

ایک شخص جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا ممکن ہے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کا حامل ہو، لیکن اس کے یہ اوصاف اور یہ اخلاق اس کی اپنی ایک خاص طبیعت یا تربیت کا نتیجہ ہوں گے اور ان کی بنیاد جذباتیت پر قائم ہوگی، اس کے برخلاف جس شخص نے اپنے تمام جذبات وخواہشات کو خدا کی مرضی کے تابع کردیا ہے اس کے عمل کا محرک بہ نسبت پہلے شخص کے زیادہ قوی اور موثر ہوگا اس بنا پر پہلے شخص سے بے اعتدالی ہوسکتی ہے لیکن دوسرے شخص سے یہ ممکن نہیں ہے۔

قاعدہ ہے کہ محرک جس درجہ اور جس قوت کا ہوگا حرکت بھی اسی درجہ اور اسی قوت کی ہوگی تم ایک غیر آدمی کو مصیبت میں دیکھتے ہو، طبعی طور پر تمہارے دل میں اس کے ساتھ ہمدردی اور اس کی امداد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے لیکن جب اسی مصیبت میں اپنے کسی دوست عزیز وقریب، یہاں تک کہ اپنے کسی محبوب ترین بیٹے یا بیٹی کو دیکھتے ہو تو اب وہی دو چند وچہار چند ہوجاتی ہے، دونوں جگہ تمہارا جذبۂ ہمدردی حرکت میں آگیا ہے اور غیر ہو یا تمہارا اپنا بیٹا دونوں کے لئے تمہارا دست امداد جنبش کررہا ہے لیکن غور کرو دونوں میں قوت وضعف، پختگی وخامی اور تیقن وتردد کے اعتبار سے کتنا بڑا فرق ہے، اسی کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ محرک کی عظمت اور متحرک کا اس کے ساتھ تعلق صرف یہ دو چیزیں ہیں جو جذبہ وعمل کی حرکت کی، نوعیت ومقدار متعین کرتے ہیں۔

غیر خدا جو چیز بھی ہمارے اعمال یا فکر وعقیدہ کی محرک ہوگی خواہ وہ ملک وقوم ہو یا حکومت وسلطنت ہو چونکہ ہمارا اس کے ساتھ یک گونہ تعلق ہے یعنی ہم یہ

محسوس کرتے ہیں کہ یہ چیز ہماری ہے اس بنا پر اس تعلق سے جب ہمارا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور قوت عمل میں تحریک ہوتی ہے تو وہ بالکل بے لوث نہیں ہوتا بلکہ اس میں یک گونہ شائبہ خود غرضی ہوتا ہے، چنانچہ ایک وہ سپاہی جو میدان جنگ میں صرف اپنے ملک کے لئے لڑ رہا ہے ممکن ہے کہ اپنے آپ کو خطرات میں محصور دیکھ کر غداری کر بیٹھے اور میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جائے کیونکہ صرف ملک کے لئے لڑنا، در آنحالیکہ کوئی اونچی آئیڈیالوجی اس کے قلب ودماغ پر مستولی نہ ہو، ایک طرح کی خود غرضی ہے اور خود غرضی کا ہمیشہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چھوٹی غرض کا بڑی غرض سے مقابلہ ہوتا ہے تو انسان فطرتاً بڑی غرض کی خاطر چھوٹی غرض کو ترک کردیتا ہے، اس کے برخلاف ایک وہ سپاہی ہے جو ملک کی حفاظت اور قوم کی طرف سے جنگی مدافعت کو خدا کی طرف سے عائد کیا ہوا اپنا ایک فرض سمجھتا ہے وہ لاکھ خطروں میں ہو لیکن کبھی غداری نہیں کرے گا، خدا کا حکم بجالانا اور اس کو ادا کرتے ہوئے جان دے دینا اس کے نزدیک موت نہیں زندگی ہے، شکست نہیں بلکہ جیت ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی بڑی غرض ایسی نہیں ہے جس کی خاطر وہ ایک چھوٹی غرض کو چھوڑ دے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کو سرے سے اپنی غرض ہی نہیں ہے وہ جان بھی دیتا ہے تو کہتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جو لوگ خدا کو مرکز اطاعت مان کر اعمال حسنہ کرتے ہیں اور ان کے برخلاف وہ لوگ وہ خدا کو مرکز اطاعت نہیں مانتے اور اس کے باوجود عدل و انصاف، بنی نوع انسان کے ساتھ مساوات وبرابری کا معاملہ کرتے ہیں اگر تاریخ کی روشنی میں ان دونوں قسم کے لوگوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا جو پختگی یقین عزم وخلوص اول فریق میں ہے دوسرے میں نہیں، ہم ذیل میں چند واقعات نقل کرتے ہیں ان سے اس دعویٰ کی مزید وضاحت اور تصدیق ہوگی۔

حضرت عمرؓ کی نسبت اپنے اور پرائے سب کو

تسلیم ہے کہ ان کو اہل ملک کی خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم خبر گیری کا کس قدر غیر معمولی اہتمام ہوتا تھا، بیرون مدینہ کے حالات وہاں سے آنے والے لوگوں میں سے ایک ایک سے کرید کرید کر پوچھتے تھے اور مدینہ کی گلیوں اور کوچوں کا گشت خود شب میں کرتے تھے، چنانچہ اسی طرح کے ایک موقع پر آپ کو کسی بچہ کے رونے کی آواز آئی، تو ماں سے جاکر کہا کہ بچہ کو بہلائے، کچھ دیر کے بعد پھر ادھر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ بچہ اب بھی رو رہا ہے، آپ ماں پر خفا ہوئے اور کہا تو بڑی بے رحم ہے، اب ماں نے کہا "تم مجھے ڈانٹتے ہو اور جو اصل بات ہے اس کی تمہیں خبر ہی نہیں ہے، عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچہ کا دودھ نہ چھوٹے اس کو بیت المال سے وظیفہ نہ دیا جائے، اس لئے میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں" حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سنا تو بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا، کمبخت عمر! تو نے نہ جانے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا اور اس کے بعد فوراً اعلان کرادیا کہ جس دن بچہ پیدا ہو اس کا وظیفہ اسی دن سے مقرر کیا جائے۔"

ایک مرتبہ گشت کرتے کرتے مدینہ سے تین میل باہر نکل گئے، دیکھا ایک عورت نے ہانڈی چولھے پر چڑھا رکھی ہے اور اس کے دو تین بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، آپ نے جاکر تحقیق کی تو پتہ چلا کہ بچے کئی وقت کے فاقہ سے ہیں اور ماں نے انہیں بہلانے کو جھوٹ موٹ خالی ہانڈی چڑھا رکھی ہے یہ سنتے ہی آپ بے چین ہوگئے، فوراً مدینہ واپس لوٹے اور بیت المال سے آٹا گھی، گوشت اور کھجوریں لے کر اپنی کمر پر لادیں اور چلنے لگے، آپ کے غلام نے کہا یہ چیزیں میں اٹھائے لیتا ہوں آپ تکلیف نہ کیجئے، فرمایا "قیامت کے دن تو میرا بوجھ تم نہ اٹھا سکو گے" غرض کہ پورا سامان خود لاد کر عورت کے پاس پہنچے اور جب تک عورت کھانا پکا کر اور بچوں کو کھلا کر فارغ نہیں ہوگئی وہاں سے نہ ہٹے یہ حسن سلوک دیکھ کر عورت بولی "امیر المومنین ہونے کے لائق تو تم ہو نہ کہ عمر۔"

ایک مرتبہ شام کے سفر سے واپس ہو رہے تھے کہ کسی مقام پر ایک خیمہ نظر آیا، قریب پہنچ کر ایک عورت پر نظر پڑی، آپ نے اس سے پوچھا، "تم کو کچھ عمر کا حال معلوم ہے" عورت نے کہا "ہاں وہ شام سے واپس ہو رہا ہے مگر مجھ کو تو اس سے ایک حبہ بھی نہیں ملا، آپ نے فرمایا "تم شام میں رہتی ہو اور وہ مدینہ میں، عمر کو اتنی دور کا حال کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے؟" عورت نے جواب دیا "اگر حال معلوم نہیں کر سکتا تو حکومت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو بے ساختہ رو پڑے۔

عدل وانصاف اور مساوات و برابری کے الفاظ آج ہر شخص کی زبان پر ہیں لیکن کیا تاریخ عالم میں کوئی ایک واقعہ بھی اس کی نظیر میں پیش کیا جاسکتا ہے کہ فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر فاروقؓ شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ آپ کا غلام اونٹ پر بیٹھا ہوا ہے اور آپ خود اونٹ کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اونٹ ایک ہی تھا آقا اور غلام دونوں باری باری سوار ہوتے چلے آرہے تھے، اتفاق سے بیت المقدس میں جب داخلہ کا وقت آیا تو وہ غلام کی باری کا وقت تھا۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، حضرت عمرؓ دامن چڑھائے ادھر ادھر اسے تلاش کرتے پھرتے تھے کہ اتنے میں ایک رئیس قبیلہ احنف بن قیس ادھر آنکلے، حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا" بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، اس میں نہ جانے کتنے غریبوں کا حق ہوگا! آؤ تم بھی میرے ساتھ مل کر اونٹ تلاش کرو، کسی نے کہا "امیر المومنین! آپ کیوں زحمت اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دے دیا ہوتا۔" آپ نے فرمایا "ای عبد اعبد منی" مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہوگا!

اسی طرح کے واقعات خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کی زندگی میں ملیں گے، ایک مرتبہ آپ کی زرہ کہیں گر پڑی کسی یہودی کے ہاتھ لگی اور اس نے اٹھالی، حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کردیا، قاضی شریح نے مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو عدالت میں طلب کرکے حضرت علیؓ سے پوچھا "آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ زرہ آپ کی ہی ہے، حضرت علیؓ نے ثبوت پیش کرنے سے معذوری ظاہر کی تو قاضی نے مدعا علیہ کے حق میں حکم صادر کردیا اور وہ زرہ اسی کو دلوادی، اس فیصلہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہوگیا اور بولا "اس سے بڑھ کر انصاف اور کیا ہوگا کہ امیر المومنین خود عدالت میں آتے ہیں اور قاضی کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا ہے تو بے چوں چرا مان لیتے ہیں۔"

صحابہ کرامؓ کی زندگی میں اس طرح کے واقعات استثنائی حکم نہیں رکھتے بلکہ تاریخ وسیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے سینکڑوں ہزاروں واقعات ملیں گے جن کو پڑھ کر آج کل کی دنیا میں ان کو باور کرنا بھی مشکل ہوگا، صحابۂ کرام تو خیر آنحضرت ﷺ سے براہ راست فیض تعلیم و تربیت اٹھائے ہوئے تھے، خدا کو مرکز اطاعت ماننے اور خدا کی عظمت وکبریائی کے دل ودماغ پر مسلط ہونے کا نتیجہ یہ تھا کہ اس عہد سعادت کے بہت بعد بعض بادشاہ جو عام حالات میں بڑے تنک مزاج اور درشت خو ہوتے تھے، عدل وانصاف کا کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو وہ بھی حد درجہ حیرت انگیز کیرکٹر اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیتے تھے، محمد بن تغلق کو ہندوستان کی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کس جاہ وجلال اور صولت وسطوت کا بادشاہ تھا، ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا واقعہ قسم کھا کر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ہندو نے قاضی کی عدالت میں درخواست دی کہ بادشاہ نے میرے بیٹے کو بلا قصور مارا ہے، قاضی نے محمد بن تغلق کو عدالت میں طلب کرکے باقاعدہ مقدمہ کی کاروائی شروع کی اور آخر میں فیصلہ کیا کہ بیشک محمد بن تغلق مجرم ہے اس سے بدلہ لیا جائے، قاضی کا یہ فیصلہ سن کر محمد بن تغلق نے سر اطاعت خم کردیا اور جس کوڑے سے اس نے ہندو کے لڑکے کو مارا تھا وہی کوڑہ لڑکے کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ تو مجھ کو مار، کہاں محمد بن تغلق جیسا بارعب بادشاہ وقت جو دلی میں بیٹھا چین پر فوج کشی کے نقشے بناتا تھا اور کہاں ایک معمولی ہندزادہ! اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، کوڑہ اٹھانا بھی دشوار تھا، لیکن اب محمد

بن تغلق نے اسے قسم دے کر کہا "خوف مت کر مجھ سے اپنا بدلہ لے، اس طرح مجھ پر تیرا بڑا احسان ہوگا کہ میں خدا کے یہاں پکڑے سے بچ جاؤں گا" ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اب لڑکے نے مارنا شروع کیا تو اتنا مارا کہ بادشاہ کی ٹوپی سر سے اتر کر زمین پر گر پڑی۔

یہ اور اس طرح کے سینکڑوں ہزاروں واقعات جو تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں، ان کی تحلیل نفسیاتی کرکے دیکھو کہ ان کے اسباب کیا ہیں؟ یہ غیر معمولی جوش عمل، یہ حیرت انگیز اخلاص و بے نفسی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کے باوجود یہ عاجزی اور فروتنی، عقیدہ کی یہ پختگی اور کردار کی یہ بلندی، یہ سب اوصاف کیا اس وقت پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ انسان کے معتقدات اور اس کے اعمال وافعال کا تعلق براہ راست ایک اعلیٰ ترین قدر حیات کے ساتھ نہ ہو، ایک فانی اور مادی چیز کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے وہ بھی فانی اور متزلزل ہوتا ہے اور اس بنا پر ظاہر ہے کہ اس تعلق کے باعث ہمارے جذبات میں جو ولولہ، امنگ اور جوش اور ان کے ذریعہ سے عمل میں جو آمادگی اور مستعدی پیدا ہوگی وہ کسی اور ذریعہ سے ہرگز نہیں ہو سکتی، آج ہماری سب سے بڑی نامرادی اور ناکامی جس کی وجہ سے تمام دنیا تباہی و بربادی کے عظیم خطرہ میں گھری ہوئی ہے اس کے سوا اور کیا ہے کہ زبانوں سے جن باتوں کا اظہار و اقرار ہے ان پر عمل نہیں کیا جاتا، اس نامرادی وناکامی کا علاج بجز اس کے کوئی نہیں ہے کہ ہم سب جو کچھ کہیں اس کے لئے اپنے آپ کو جواب دہ کسی ایک انسانی پارلیمنٹ یا بزم اقوام کے سامنے ہی نہیں بلکہ اس بلند وبالا ہستی کے سامنے سمجھیں جس سے نیت کا کوئی کھوٹ، عمل کی کوئی کوتاہی اور ارادہ کا کوئی روگ پوشیدہ نہیں ہے، صرف یہ ہی وہ تصور، یہ ہی وہ یقین تھا جس کے باعث حضرت عمرؓ باوجود اپنے تمام کمالات اور اعمال حسنہ کے بعض اوقات فرماتے تھے "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن بے مواخذہ چھوڑ دیا جاؤں!!

علاوہ ازیں اب ایک اور پہلو سے غور کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت اور طبیعت میں محبت کرنے کا جذبہ ہوتا ہے اور اس بنا پر اس کو ایک ایسی ہستی کی جستجو ہوتی ہے جس کو وہ اپنی امیدوں اور ارمانوں اور تمناؤں کا مرکز بنائے اور اس کی یاد میں اسے لطف وسرور حاصل ہوتا ہو اور اس کے غم عشق کی لذت وحلاوت کے مقابلہ میں آسائش ہر دو گیتی اور راحت وعشرت ہر دو جہاں ہیچ نظر آتے ہوں اور آلام روزگار کے ہجوم میں بھی اس کا تصور اور یاد سرمایۂ ہزار راحت وسکون اور موجب جمعیت وطمانیت خاطر ہو، ایک طرف انسان کی یہ فطرت کہ وہ محبوب تلاش کرتا ہے اور دوسری جانب اس کی یہ محرومی اور بدنصیبی کہ وہ اس وسیع کارگاہ ہست وبود میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے، یوں محبت کرنے کو تو وہ اپنے جذبۂ ذوق و میلان و رجحان طبعی کے مطابق اپنے ماں باپ سے، بہن بھائیوں بیوی اور اولاد سے، پھر اپنی دولت اور اپنے عہدہ ومنصب سے، اپنی قوم اور اپنے وطن سے، غرض کہ ہر اس چیز سے جس کا اس سے دور یا نزدیک کا تعلق اور رشتہ ہوتا ہے، ہر ایک سے محبت کرتا اور دل لگاتا ہے کہ اب تک اس نے جس جس چیز سے محبت کی تھی اس کی محبت نااستوار اور ناپائیدار تھی، اس لئے کہ وہ چیز خود ہستی بے بود رکھتی تھی، اس احساس کے بعد انسان میں تنہائی کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو سب کچھ رکھنے کے باوجود اکیلا ہی پاتا ہے لیکن جس شخص کے دل میں خدا کی محبت ہوتی اور مذہب سے لگاؤ ہوتا ہے وہ کبھی کسی عالم اور کسی حالت میں اپنے تئیں تنہا محسوس نہیں کرتا کیونکہ اس کا نہاں خانۂ قلب و دماغ ایک ایسی ذات برتر و بے ہمتا کی یاد، عشق اور محبت سے روشن ہوتا ہے جو زندگی کی ہر شب وغم میں مشعل نور اور ہر مایوسی اور ناکامی کی گھبراہٹ میں سرتاسر پیام تسکین وطمانیت کا کام دیتی ہے، چنانچہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں کسی بھی مذہب اور ملت کے صوفیائے کرام اور حقیقی معنی میں پیشوایان مذہب کے حالات کا مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ مال ومتاع اور سامان عشرت وراحت سے دور ہونے، قناعت کی زندگی بسر کرنے اور اپنے مشن کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں شب وروز سرگرم رہنے کے باعث کیسے کیسے حوادث وآلام ومصائب وشدائد سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لیکن وہ ہر حالت میں خوش، مطمئن اور مگن رہتے ہیں اور کبھی ان میں بددلی آزردگی اور دل گرفتگی کا احساس پیدا نہیں ہوتا، ان پر اگر کبھی درد وغم کا پہاڑ ٹوٹتا بھی ہے تو یہ بدحواس اور سراسیمہ نہیں ہوتے بلکہ امیر خسرو کی طرح فرط شوق میں کہتے ہیں:

دردیا وادی دردمانی ہنوز
جان و تن ہردی دورجانی ہنوز
قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز

آج کل زمانہ سائنس اور ٹکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کا زمانہ ہے بعض کوتاہ اندیش پوچھتے ہیں کہ اب بھلا مذہب کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سائنس خواہ کتنی ہی ترقی کرے انسان بہرحال کبھی مذہب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ حقائق اشیا کے متعلق ہمیشہ دو اہم اور بنیادی سوال پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ "یہ چیز کیا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ یہ کیوں ہے؟" ان میں سے پہلے سوال کا جواب سائنس کے دائرہ اختیار وعمل میں ہے اور دوسرے کا جواب صرف مذہب دے سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زندگی کی تکمیل دونوں ہی سوالات کے جوابات پر منحصر ہے، ورنہ پھر عالم وہی ہوتا ہے جس کا ماتم اقبالؔ نے کیا ہے:

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اگر مذہب نے مدد نہ کی تو اندیشہ ہے کہ سائنس کی یہ حیرت انگیز ترقی ہی کہیں بنی نوع انسان کی عظیم اور ناقابل تلافی ہلاکت وبربادی کا باعث نہ بن جائے۔

☆☆☆

حکمت دعوت

دعوت دین اور غلبۂ حق کے لئے

نبوت کا عملی طریقۂ کار

مولانا اخلاق حسین قاسمی

قیام دین اور دعوت حق کا کام ایک مسلمان کے لیے جتنا اساسی اور بنیادی ہے اتنا ہی غور وفکر اور فہم و تدبر کا طالب ہے۔

یہ کام قطعی طور پر جذباتی نہیں، جوش و نعرہ بازی سے اس مقصد کو ضد ہے دعوت دین کے لئے اٹھنے والوں میں اگر نبوت کی فطری حکمت عملی اور نفسیاتی تدبیروں پر گہری نظر نہ ہو تو وہ دین کی خدمت کرنے کے بجائے الٹا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ایمانی جوش یقیناً یہ چاہتا ہے کہ صاحب ایمان اپنے دین کو غالب و سربلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے اور اپنے آپ کو اس مقصد کی خاطر قربان کردے، لیکن اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اسے دیکھنا پڑے گا کہ ہادی دین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیونکر انجام دیا، یہی وجہ ہے کہ قیام اسلام اور دعوت دین کا کام جو لوگ محض سیاسی تحریکات کے طور پر شروع کرتے ہیں اور ان کا کام نبوت کے طریقۂ کار سے ہٹا ہوتا ہے تو وہ لوگ انجام کار میں ناکامی اور پھر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دین سربلند ہو جائے۔ یہ جذبہ بہت مقدس ہے، دین کی دعوت پھیل جائے۔ یہ خواہش مبارک ہے، دنیا سے کفر و شرک کی طاقتیں مٹ جائیں۔ یہ تمنا عین تقاضائے ایمان ہے۔ مگر یہ تمنا اور خواہش عملی زندگی میں کس طرح بار آور ہو سکتی ہے اور دین و مذہب کے آسمانی علمبرداروں، نبیوں اور رسولوں نے اپنی اس خواہش اور اپنے اس مقدس مشن کو کس طرح انجام کو پہنچایا ہے۔ اگر ہمارے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ نبوت اور خاص طور پر ختم الرسل ﷺ کا وہ طریقۂ عمل اور آپ کی وہ سنت موجود نہ ہوگی تو ہمارے وہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔ ہماری وہ مبارک خواہش کبھی پوری نہ ہوگی، ہاں چند روز کے لیے ہمیں دنیا داعیان حق میں ضرور شمار کرنے لگے گی، ہمیں اس تحریک سے سیاسی اور مادی فوائد بھی حاصل ہو جائیں گے، مگر دین سربلند ہو جائے، ایسا نہیں ہوگا۔

عام لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر آنے والے نبی نے مخاطب قوم کے قدیمی اور آبائی خیالات اور اس میں پھیلی ہوئی مذہبی رسموں اور مذہبی طریقوں کے خلاف ایک دم اعلان جنگ کیا ہوگا، اور غلبۂ دین کی ایک پرزور تحریک شروع کردی ہوگی، اور قدیمی مراسم اور قدیمی خیالات کو یکسر مٹا کر ان کی جگہ بالکل نئے خیالات اور بالکل نئے طریقے جاری کردیے ہوں گے۔

لیکن نبوت کے طریقۂ اصلاح کے متعلق یہ نظریہ ناواقفیت اور سطحی معلومات پر مبنی ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے؟

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے مستقل الگ الگ تین باب قائم کیے ہیں، ذیل میں ان ابواب کا ضروری خلاصہ دیا جارہا ہے۔

پہلا باب:

دین و مذہب کی اصل ایک ہے، البتہ طریقے اور راستے الگ الگ ہیں۔

دوسرا باب:

ہر عہد اور ہر قوم کے لیے دین کے طریقوں میں اختلاف کے اسباب کیا ہیں؟

تیسرا باب:

عرب جاہلیت کے حالات اور ان میں نبی ﷺ کی اصلاحات۔

شاہ صاحب نے ان تینوں بابوں میں جو باتیں بیان کی ہیں ان کا ضروری خلاصہ اور اہم اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ اصلاح کیا رہا ہے، اور آج قوموں کے اخلاق و اعمال اور رسوم و رواج کی اصلاح و سدھار کا کام کرنے والوں کو کیا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

پہلے باب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"خدا نے تمہیں وہی دین بتایا ہے جس کی نوحؑ کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تم پر کی ہے، یہی وحی ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر کی تھی اور وہ یہ تھی کہ دین قائم کرو، اور اس میں تفریق نہ ڈالو۔"

تفسیر کے امام حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اے محمد (ﷺ) ہم نے تمہیں اور ان تمام رسولوں کو ایک دین کی وصیت کی۔"

دوسری آیت میں فرمایا:

"ہم نے تم میں سے ہر ایک امت کے لئے ایک علیحدہ شریعت اور علیحدہ راستہ مقرر کیا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "سبیلا وسنۃ" یعنی راہ اور طریق الگ الگ رہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ:

"دین حق کی اصل اور اس کی بنیاد ایک ہے جس پر تمام رسولوں کا اتفاق ہے، اختلاف اور فرق اگر رہا ہے تو عبادت کے طریقوں اور شکلوں میں رہا۔"

ملت ابراهیمی اسلام کی بنیاد هے

حجۃ اللہ البالغہ کے ۷۴ویں باب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے بتایا ہے کہ اصلاح کے لیے نبوت کے مذکورہ بالا طریقۂ کار کی روشنی میں اسلام نے عرب کے امیوں کے خیالات و اعمال کی اصلاح کیوں کر کی؟ فرماتے ہیں:

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حقائق پر اگر غور وفکر کرنا مقصود ہو تو پہلے عرب کی امی قوم کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے، امی قوم میں آپ کی بعثت ہوئی تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسلام کے اولین مخاطب مشرکین عرب کی اصلاح کے لئے کیا کیا قدم اٹھائے اور کس کس طرح اٹھائے؟

"سمجھ لو رسول اکرم ﷺ اس لیے مبعوث ہوئے تھے کہ ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی کجی کو دور کریں، اس میں جو ردو بدل ہو گیا تھا، اس کی اصلاح کریں، اور اس کی روشنی کو پھیلائیں، اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔"

"ملۃ ابیکم ابراھیم" "تمہیں تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر رکھا گیا ہے۔"

اسلام کے لیے جب ملت ابراہیمی کی حیثیت بنیاد کی ہے تو ضروری تھا کہ اسلام میں ملت ابراہیمی کے اصول قابل تسلیم ہوں اور اس ملت کے طریقے اور روایات مقرر اور ثابت ہوں۔ کیونکہ کوئی نبی جب کسی ایسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے جس میں سنت راشدہ کے آثار و نشانات باقی ہوتے ہیں تو اس سابق طریق ہدایت کے آثار میں تغیر و تبدل کرنا بے معنی اور بے ضرورت ہوتا ہے، انہیں اپنی حالت پر رکھا جاتا ہے اور اس قوم کے لوگ اس طریق ہدایت کو جلد ہی قبول کر لیتے ہیں۔

بنی اسماعیل میں ان کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا تھا، عمرو ابن الحی نے اپنے دور میں ملت اسماعیلی میں شرک داخل کیا، بت پرستی، سانڈ چھوڑنے کی رسم وغیرہ اسی کی ایجاد کردہ رسمیں ہیں، اس وقت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بگڑی، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نبوت سے سرفراز کر کے ملت اسماعیلی کی اصلاح پر مامور فرمایا۔

سرور عالم ﷺ نے مشرکین عرب میں تبلیغ و دعوت شروع کی، ان میں جو مذہبی رسوم "شعائر الٰہی" کے مطابق تھے انہیں باقی رکھا، شرک و کفر کی جو باتیں ملت اسماعیلی میں ملا دی گئی تھیں انہیں دور فرمایا، جو مسائل دور فترت یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیانی زمانہ میں ترک کردیے گئے تھے ان کو از سر نو زندہ اور تر و تازہ کیا جیسے وہ شروع میں تھے، اس طرح خدا تعالیٰ کا انعام مکمل اور ان کا دین مستقیم ہو گیا۔

ملت ابراہیمی (یا ملت اسماعیلی) کے بقیہ آثار عربوں کے اندر کیا کیا موجود تھے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

عرب دور جاہلیت میں نبوت اور سلسلۂ انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی جزا و سزا کے قائل تھے، نیکی کی تمام اقسام اور اصول پر ان کا اعتقاد تھا، جو باتیں تمدن اور اجتماعی مفادات سے متعلق تھیں وہ ان کے استعمال میں تھیں، البتہ دو فرقے اس قوم میں پیدا ہو گئے تھے اور ان کا اثر کافی پھیل گیا، ایک زندیقوں کا تھا، جو حیوانیت اور درندگیت کے کام کرتا تھا جس کی ملت اسماعیل میں کوئی گنجائش نہ تھی، یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے۔

دوسرا فرقہ غافلوں اور مذہب سے لاپرواہ بے عمل لوگوں کا تھا، قریش اور دوسرے آس پاس کے قبائل میں انہی لوگوں کی کثرت تھی، تعلیم نبوت سے دور ہونے کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہو گئی تھی، قرآن نے کہا

لتنذر قوما ما انذر اباء ھم فھم غافلون

اور فرمایا لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر۔

"تاکہ اے نبی تم لوگوں کو ڈراؤ جن کے باپ دادا کو کسی نبی کے ذریعہ ڈرایا نہیں گیا تھا۔"

لیکن یہ لوگ نبوت کی تعلیم سے اتنے دور نہیں ہوئے تھے کہ ان کے سامنے دلائل پیش نہیں ہو سکتے اور ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا تھا، اور انھیں مطمئن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اہل جاہلیت میں جو باتیں تھیں وہ یہ تھیں:

۱- یہ لوگ آسمان و زمین کے خالق کو تسلیم کرتے تھے۔

۲- خالق میں کسی کو شریک نہیں جانتے تھے، البتہ خدا کے اعتقاد میں ان کے ہاں زندیقیت اس طرح پیدا ہو گئی تھی کہ یہ فرشتوں اور ارواح کو دنیا کے بادشاہی ندیموں اور سفارشیوں پر قیاس کر کے انہیں مستقل متصرف اور کارفرما ماننے لگے تھے۔

شریعتوں میں ان فرشتوں کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ یہ فرشتے کارخانۂ ہستی میں بہت سے امور کی انجام دہی پر مامور ہیں، اور خدا کی بارگاہ میں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، عرب جاہلیت میں ان ملائکہ کے ان کاموں کو ان کا ذاتی تصرف سمجھا جانے لگا تھا، اور یہ لوگ دنیا کے معاملات پر ان ملائکہ کی حالت کو قیاس کرنے لگے تھے، اہل جاہلیت تقدیر کے بھی قائل تھے، امام حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں تقدیر کا ذکر کرتے تھے، شریعت اسلام نے اس عقیدے کو اور زیادہ مؤثر کردیا ہے۔

یہ لوگ جزا و سزا اور حلال و حرام کے بھی قائل تھے اور نبوت و رسالت کے تصور کو تسلیم کرتے تھے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب جاہلیت اگرچہ راہ راست سے دور ہٹ گئے، مگر ان میں جو علم باقی رہ گیا تھا اس علم کے ذریعہ ان پر حجت تمام کی جاتی تھی۔

عمرو ابن الحی سے پہلے جو حکماء عرب میں موجود تھے، ان کے خطبوں کو دیکھو اور قیس بن ساعدہ اور عمرو ابن نفیل کے خیالات پر غور کرو، زید ابن عمرو ابن نفیل کے یہ اشعار مشہور ہیں:

اربا واحدا ام الف رب
ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزی جمیعا
کذلک یفعل الرجل البصیر

"میں ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں خداؤں کو جب کاموں کی تقسیم ہو، میں نے لات و عزیٰ کو چھوڑ دیا ہے، اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔"

(باقی آئندہ)

اتحادِ امت

فقہی اختلاف۔ اللہ کی حکمت ورحمت

رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کا فیصلہ

(عالم اسلام کا ایک مؤقر ادارہ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) ہے۔ رابطہ کے تحت "المجمع الفقہی الاسلامی" قائم ہے جو نئے مسائل وموضوعات پر غور و خوض کے لئے فقہی سمیناروں کا انعقاد کرتا ہے، عالم اسلام کی باکمال علمی شخصیات اور اکابر فقہاء اس کے ارکان ہیں۔ اوران کے طے کردہ شرعی فیصلے اہم علمی وزن رکھتے ہیں۔ المجمع الفقہی الاسلامی نے اپنے ایک سمینار میں فقہی اختلاف کے موضوع پر غور وخوض کیا۔ اور درج ذیل متفقہ فیصلے کئے تھے۔ اس فیصلے پر عالم اسلام کی اہم شخصیتوں نے اپنے دستخطیں ثبت کیں جن میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں بھی شامل تھے۔)

اکیڈمی کے اس اجلاس میں مروجہ مسالک کے درمیان فقہی اختلاف کے ساتھ اس بات پر غور کیا گیا کہ ان مسالک کے کچھ ماننے والوں کے اندر اپنے مسلک کے تئیں سخت و ناروا تعصب پایا جاتا ہے جو اعتدال کی سرحدوں سے آگے نکل کر دوسرے مسالک اوران کے علماء پر طعن وتشنیع تک جا پہنچتا ہے۔ اختلاف مسالک کے تئیں جدید نسل اس اختلاف کی بنیاد اور مفہوم سے نا آشنا ہے، اور گمراہ کرنے والے انہیں یہ غلط باور کراتے ہیں کہ جب شریعت ایک ہے، اس کے اصول قرآن اور سنت ایک ہیں تو پھر یہ فقہی مسالک کا اختلاف کیوں ہے؟ ان سارے مسالک کو کیوں نہ ایک کر دیا جائے تاکہ تمام مسلمانوں کا مسلک بھی ایک ہو اور احکام شریعت کا فہم بھی ایک ہو۔

اجلاس میں مسلکی تعصب اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات کا بھی جائزہ لیا گیا۔ جن میں خصوصاً جدید رجحانات کے پیروکار ایک نئے اجتہادی لائن کی آواز اٹھا رہے ہیں اور بالکل ابتدائی اسلامی صدیوں سے قائم نیز امت مسلمہ کے درمیان قبول عام حاصل کئے ہوئے ان فقہی مسالک پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ ان مسالک کے ائمہ مجتہدین پر زبان درازی اور بعض ائمہ کو گمراہ بتا کر لوگوں کے درمیان فتنہ برپا کرتے ہیں۔

اس موضوع کے مختلف پہلوؤں، اس سے وابستہ امور و مسائل اور فتنہ وگمراہی کے نتائج کے پیش نظر تعصب پسندوں اور گمراہ کرنے والوں ہر دو فریق کو تنبیہ کے طور پر اکیڈمی اپنے درج ذیل فیصلہ سے آگاہ کرتی ہے۔

اول: اختلاف مسالک

اسلامی ممالک میں پائے جانے والے فکری مسالک کے اختلاف کی دو نوعیتیں ہیں:

(الف) اعتقادی مذاہب کا اختلاف

(ب) فقہی مذاہب کا اختلاف

پہلی نوعیت یعنی اعتقادی اختلاف فی الواقع ایسی مصیبت ہے جس نے عالم اسلام میں بڑے بڑے حادثات برپا کئے ہیں، مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور اختلاف کو خوب ہوا دی ہے جو بہت ہی افسوس ناک امر ہے، اور اس کا خاتمہ بہت ضروری ہے، پوری امت کا فرض ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک اختیار کرلیں جو عہد رسالت اور اس عہد خلافت راشدہ دونوں کا نمائندہ ہے جسے اللہ کے رسول نے عہد رسالت کا امتداد قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ:

"تم لوگ میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامو اور اس پر جم جاؤ۔"

دوسری نوعیت جو بعض مسائل میں فقہی اختلاف کی ہے اس کے پس پشت کچھ علمی اسباب ہیں جن میں اللہ کی عظیم حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت کارفرما ہے، ساتھ ہی اس کی وجہ سے نصوص سے استنباط احکام کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔

یہ اختلاف ایک نعمت اور عظیم قانونی فقہی سرمایہ ہے، جس نے امت مسلمہ کو اپنے دین وشریعت کی بابت انتہائی کشادگی و آسانی عطا کی ہے۔ امت مسلمہ اس کی وجہ سے کسی ایک شرعی تطبیق میں اس طرح محدود ہو کر نہیں رہ جاتی ہے کہ اس تجاوز کا امکان نہ ہو بلکہ اگر کبھی ایک مسلک کے لحاظ سے کوئی تنگی اور دشواری آجاتی ہے تو دوسرے مسلک میں اس کے لئے کشایش و آسانی میسر ہوتی ہے، عبادات سے لے کر معاملات، خانگی امور اور قضا، و جنایات تک تمام میدانوں میں شرعی دلائل کی روشنی میں یہ کشایش میسر رہتی ہے۔

دوسری نوعیت کا یہ فقہی اختلاف ہمارے دین میں کوئی نقص یا تناقض نہیں رہا ہے اور نہ ہرگز اسے تناقض ونقص قرار دیا جا سکتا ہے، دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس کے پاس فقہ واجتہاد کے ساتھ قانون سازی کا مکمل نظام ہو اور اس میں فقہی اور اجتہادی اختلاف نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے اختلاف کا نہ ہونا ناممکن ہے، کیوں کہ اصل نصوص بیشتر امور میں ایک سے زائد مفہوم ومعنی کا احتمال رکھتے ہیں، نیز یہ نصوص تمام امکانی واقعات کا احاطہ کر بھی نہیں سکتے ہیں، بقول بعض علماء، نصوص محدود ہیں اور واقعات لامحدود، لہذا قیاس کی طرف رجوع کرنا اور علل احکام، شارع کی غرض، شریعت کے عام مقاصد پر نظر رکھنا اور شریعت کے واقعات اور نئے نئے حادثات میں حکم و فیصل بنانا ضروری ہے، اور اس تطبیق واجتہاد میں علماء کے فہم وفقہ اور احتمالات کے درمیان ترجیحات کی تعیین میں اختلاف ایک فطری بات ہے۔ جس کی وجہ سے ایک ہی موضوع پر مختلف علماء کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں، جبکہ حق کی تلاش ودریافت ہی ہر ایک کا مقصود ہوتا ہے اور اس میں جس کا اجتہاد صحیح ہو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے، اور جس سے غلطی ہو جائے وہ بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، اس طرح کشایش کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے اور دشواری و تنگی دور ہو جاتی ہے۔

پس اس فقہی اختلاف کے وجود میں کہاں سے کوئی نقص ہوگا، یہ تو سراپا خیر ورحمت اور فی الواقع بندوں پر اللہ کی رحمت وشفقت اور نعمت ہے، اور ساتھ ہی فقہ وقانون سازی کی دنیا میں ایسا عظیم سرمایہ اور امتیاز ہے جس پر امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

لیکن اسلام کو اپنی آنکھوں میں کھٹکنے والا کانٹا سمجھنے والے دشمنان اسلام مسلم نوجوانوں، بالخصوص بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کی اسلامی ثقافت ومعلومات میں کمی کا استحصال کرتے ہوئے انہیں یہ باور کرانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں کہ فقہی اختلاف بھی اعتقادی اختلاف کی مانند ظلم اور شریعت میں تناقض وتضاد ہے، اور دونوں کے درمیان کے زبردست فرق پر پردہ ڈال جاتے ہیں۔

دوم:

جہاں تک دوسرے طبقہ کا تعلق ہے جو ان تمام مسالک ہی کو پس پشت ڈال دینا چاہتا ہے اور لوگوں کو موجودہ فقہی مسالک اور ان کے ائمہ عظام کی طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ اوپر پیش کردہ ان فقہی مسالک کی اہمیت وامتیاز اور ان کے ائمہ کی عظیم خدمات کے پیش نظر اس طبقہ کو چاہئے کہ اس ناپسندیدہ اور گھٹیا طرز عمل سے گریز کرے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرتا ہے اور انہیں ایسے نازک وقت پر منتشر کرتا ہے جس میں دشمنان اسلام کی خطرناک سازشوں کے مقابلہ میں پوری امت کو ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانے کی سخت ترین ضرورت درپیش ہے۔

ماخوذ: فقہی اختلاف اور شاہ ولی اللہ کا موقف

از محمد فہیم اختر ندوی

ایک معذرت

پچھلے شمارہ میں صفحہ ۱۸ کے آخری سے پہلے پیرا گراف کے شروع میں یہ عبارت کمپوز ہونے سے رہ گئی کہ "بعض لوگ یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ" ازراہ کرم قارئین کرام اس عبارت کو مندرجہ بالا جملہ کے اضافہ کے ساتھ پڑھیں اس لئے کہ جمہور امت کا عقیدہ اور مفسرین قرآن کا فیصلہ یہی ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس بڑی سہو سے درگزر کریں۔ ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

شعروادب

تغزل ماجدی

(بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے کبھی شاعری بھی کی ہے ان کا تخلص ناظر تھا۔ انکی غزلیہ شاعری کا سلسلہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہا۔ غزلوں کی تعداد دس ہے اس کے بعد کچھ عرصہ تک انہوں نے صرف نعتیہ غزلیں (جن میں کوئی تخلص درج نہ تھا) کہیں، جن کی تعداد صرف چار ہے۔ مولانا شاعری میں باضابطہ شاگرد کسی کے نہیں رہے ہاں حضرت اکبرؔ الہ آبادی سے متعدد غزلوں میں اصلاح لی حضرت اکبر نے اصلاح کے ساتھ ان کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ (ماخوذ از عرض مرتب حکیم عبدالقوی دریابادی مرحوم "تغزل ماجدی")

پڑھتا ہوا محشر میں جب صل علی آیا
رحمت کی گھٹا اٹھی اور ابر کرم چھایا
جب وقت پڑا نازک اپنے ہوئے بیگانے
ہاں کام اگر آیا تو نام ترا آیا!
پرسش تھی گناہوں کی اور یاس کا تھا عالم
بے کس کی خبر لینے محبوبؐ خدا آیا
یہ نام مبارک تھا یا حق کی تجلی تھی
دم بھر میں ہوا فاسق ابدال کا ہم پایا
چرچے ہیں فرشتوں میں اور رشک ہے زاہد کو
اس شان سے جنت میں شیدائے نبیؐ آیا
کیوں نزع کی دشواری آسان نہ ہو جاتی
تھا نام ترا لب پر اور سر پہ ترا سایہ
اک عمر کی گمراہی اک عمر کی سرتابی
جز تیری غلامی کے آخر نہ مفر پایا
حکمت کا سبق چھوڑا، عزت کی طلب چھوڑی
دنیا سے نظر پھیری سب کھو کے تجھے پایا
سمجھے تھے یہ کاری اپنی ہے فزوں حد سے
دیکھا تو کرم تیرا اس سے بھی سوا پایا
فاسق کی ہے یہ میت پر ہے تو تری امت
ہاں ڈال تو دے دامن کا اپنے ذرا سایا

رفتارِ فلک دیکھ، زمانہ کی ہوا دیکھ
اے کور بصر دہر کا انجام ذرا دیکھ
مغرور نہ ہو حسن خداداد پہ ظالم
ڈر نالۂ دل سے اثر آہ رسا دیکھ
ہر شے سے ٹپکتا ہے مرا جذب تمنا
نالے کا اثر دیکھ کہ تاثیر دعا دیکھ
آخر تو ہیں ہم مدعی صبر و تحمل
رہ جائے نہ دل میں ترے ارمانِ جفا دیکھ
حد سے نہ گزر مشغلۂ جور میں اے یار
نازک ہے بہت رشتۂ پیمانِ وفا دیکھ
آشفتہ سری پہ مری کیوں طنز ہے اتنا
تو خود تو ذرا برہمی زلف دوتا دیکھ
لازم ہے کبھی دلدہی ان کی بھی ستم گر
ٹوٹے نہ کہیں ہمت اربابِ وفا دیکھ
خودداری تقویٰ پہ ہے کیوں ناز یہ زاہد
ناظر کو در بت پہ کبھی ناصیہ سا دیکھ

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

عظمت قرآن

حقیقت پسند ہندو دانشور اور قرآن مجید

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ مذہب اور دھرم کے ذریعہ دلوں کو باہم جوڑنے کا کام لینے کے بجائے اس سے انسانوں کو تقسیم کرنے کا کام بھی لیا جاتا رہا ہے یہی وہ بیمار ذہنیت ہے جو سادہ لوح انسانوں کو قرآن مجید کے سلسلہ میں بھی ورغلاتی اور یہ تاثر دیتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور ان کے حق میں مہربان نہ ہوں قرآن پاک کی آیتوں کو ان کے نازل ہونے کے پس منظر کے بیان کے بغیر پیش کر کے اسکا پروپگنڈہ کیا جاتا ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اقوام عالم کے فاضل دانشوروں کی صف میں ایسے ہندو دانشور بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جنہوں نے قرآن کی عظمت کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس کی خدمت کو بھی اپنے لئے سعادت کا باعث سمجھا۔ درج ذیل مضمون سے اس رخ پر روشنی پڑتی ہے۔)

اپنے دین سے وابستگی، امت مسلمہ کا ایک امتیاز:

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، یہ انسانیت کے لئے ابدی پیغام اور زندہ دستور العمل ہے، یہ بیک وقت دماغ کو بھی مطمئن کرتی ہے اور بربط دل کو بھی چھیڑتی ہے، یہ ایک انقلاب انگیز کتاب ہے، جیسے سورج کی تمازت میں کبھی کمی نہیں آسکتی اور سمندر کی وسعتوں کو کم نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح کتاب کی اثر انگیزی، اس کی تاثیر، دلوں کو زیروزبر کردینے کی صلاحیت اور فکر و نظر پر چھا جانے کی طاقت میں کبھی کوئی کمی نہیں ہوسکتی، یہ رواں دواں زندگی میں انسان کی رہنمائی کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے اس کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آسکتا، خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جو اس بات کا اعلان ہے کہ قرآن مجید قیامت تک اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ محفوظ رہے گا۔

دنیا میں جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں، انسانی زندگی سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے، آج کوئی ہندو، بدھسٹ یا عیسائی اپنی تجارت، کاروبار، نظام حکومت، طریقہ عدل و انصاف، ازدواجی زندگی، خاندانی تعلقات، مختلف قوموں کے باہمی روابط اور اس طرح کے دوسرے مسائل میں اپنی مذہبی کتابوں سے رجوع نہیں کرتا، نہ وہ اپنے مذہبی علماء سے احکام و مسائل معلوم کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ بعض قومیں نحس و برکت وغیرہ کے سلسلہ میں جو توہمات ہیں، ان کے لئے مذہبی شخصیتوں سے رجوع ہوتے ہیں اور کچھ عباداتی رسوم کو اپنی عبادت گاہوں میں انجام دیتے ہیں، عام لوگ ان کتابوں کو نہ پڑھتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ کچھ مخصوص لوگ ہی اس کو پڑھنے اور سمجھنے کے اہل ہیں، اس لئے ان قوموں کی زندگی میں مذہب کا ہمہ گیر تصور نہیں پایا جاتا اور وہ زندگی کے عام مسائل میں اپنی خواہش کے متبع ہیں، نہ کوئی حلال ہے، نہ حرام، نہ جائز نہ ناجائز اور نہ مکروہ، نہ مستحب۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ اپنی بہت سی کمزوریوں اور کوتاہ عملیوں کے باوجود آج بھی اپنے مذہب سے مربوط ہے، خود ہمارے ملک میں ہندوستان میں بیسیوں دارالافتاء ہیں، جن کے پاس روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں فتاویٰ کی ڈاک آتی ہے اور لوگ زندگی کے نوع بہ نوع مسائل کے بارے میں حکم شرعی دریافت کرتے ہیں، کسی جبر و دباؤ کے بغیر اپنے سینکڑوں نزاعات کو شرعی پنچایت اور دارالقضاء میں لے جاتے ہیں اور مسلمان، چاہے زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ہو، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی گذارے۔

قرآن سے تعصب کی نفسیات:

اسی چیز نے اسے الحاد و بددینی کے اس طوفان میں بھی دین سے مربوط رکھا ہے اور وہ اس لادینی ثقافت کے آگے سرتسلیم خم کرنے کو تیار نہیں ہے، جس کے سامنے آج تمام قومیں اپنی شکست تسلیم کرچکی ہیں، یہ سب قرآن مجید کا فیض ہے، یہ وہ چیز ہے جس نے حق اور سچائی کے دشمنوں کو قرآن مجید کے خلاف کھڑا کردیا ہے، لیکن یہ بات کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ حذف کردیا جائے، کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ مطالبہ تو خود نزول قرآن کے زمانہ میں بھی ہوا۔ (یونس: ۱۵) لیکن جیسے ان معاندین کی خواہش ناکام و نامراد ہوئی، آج لوگ قرآن کے خلاف زبان کھول کر سورج پر تھوکنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کی اس بے جا خواہش اور مطالبہ کا بھی وہی حشر ہوگا۔

حقیقت پسند ہندو دانشوروں کا رویہ:

ہندوستان میں حقیقت پسند ہندو علماء نے ہمیشہ قرآن مجید کو عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھا ہے، گاندھی جی اور ونوبا بھاوے جی مذہبی شخصیت کے حامل تھے، گاندھی جی قرآن سے بہت متاثر تھے اور اس کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے، یہی حال ونوبا بھاوے جی کا تھا، انھوں نے تو قرآن کی منتخب آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح بھی "روح القرآن" کے نام سے مرتب کی ہے، ہندوستان میں طباعت و اشاعت کی موجودہ سہولتوں اور پریس کی کثرت کے دور سے پہلے قرآن مجید کی طباعت میں سب سے نمایاں کام "منشی نولکشور لکھنؤ" کا ہے، وہ صحت کے مکمل اہتمام کیساتھ قرآن مجید طبع کیا کرتے تھے اور طباعت کے لئے سنگی تختیاں تیار کرتے تھے، نیز انھیں احتراماً دوسری زیر طباعت کتابوں اور ان کی تختیوں سے اوپر رکھا کرتے تھے۔

قرآن مجید کے بارے میں ہندو علماء کے تأثرات:

قرآن مجید کے بارے میں بابا بھوپندر ناتھ باسو فرماتے ہیں:

"تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے

بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔"

بابو بپن چندر پال کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے، نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔"

مسز سروجنی نائڈو کا یہ بیان کس قدر حقیقت پسندانہ ہے کہ:

"قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے، دنیا اس کی پیروی سے خوش حال ہو سکتی ہے۔"

مہاتما گاندھی جی کا ارشاد ہے:

"مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تأمل نہیں ہے۔"

قرآن مجید کے ہندو مترجمین و ناشرین:

قرآن مجید سے اسی تعلق اور عقیدت کا اثر ہے کہ مختلف ہندو اہل علم نے قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے، یا قرآن کی منتخب آیات کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے، ونوبا بھاوے کی "روح القرآن" کا ذکر اوپر آچکا ہے، ہندی کے مشہور شاعر بھارت بندو ہرش چندر نے بھی قرآن کا ترجمہ شروع کیا تھا، جو رسالہ ہرش چندر میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا، لکھنؤ کے نندکمار اوستھی نے بھی قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے، آریہ سماجیوں کی طرف سے بھی وید کے منتروں سے تقابل کرتے ہوئے قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ شائع ہوا ہے، ۱۹۹۴ء میں ہندوستان کے سابق کیبنٹ سکریٹری ونود چند پانڈے نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا ہے، انھیں اعتراف ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں، بلکہ وحی ہے، سردار جگجوت سنگھ کی فرمائش پر کنہیالال لکھداری نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا ہے، جو چار سو پندرہ صفحات پر دھرم سبھا لدھیانہ سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا تھا، اس ترجمہ میں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے مدد لی گئی ہے۔

بنگال کے ایک ہندو عالم گریش چندر سنگھ نے ۱۸۸۱ء میں قرآن مجید کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا، ۱۹۳۶ء میں بنگلہ بولنے والے مسلم علماء نے اس ترجمہ کو مستند قرار دیا، پنڈت کیلاش چندر پربھست نے جناب امام الدین رام نگری کے ساتھ مل کر مولانا صدرالدین اصلاحی کے ترجمہ کو ہندی میں منتقل کیا، یہ ترجمہ ۱۹۵۵ء میں رامپور سے شائع ہوا اور اس کے صرف دو ہی پارے منظر عام پر آسکے، جناب پران ناتھ نے اپنی گجراتی تالیف "قلزم سروپ" میں قرآن اور وید کے متن کا انتخاب پیش کیا ہے۔ ہندی زبان میں دھن پرکاش ایڈوکیٹ سپریم کورٹ دہلی نے قرآن مجید منظوم ہندی ترجمہ "پوتر قرآن درشن" کے نام سے کیا ہے، جسے "الوک پرکاش" نے شائع کیا ہے اور فروری ۲۰۰۰ء کے کتابی میلہ میں اسے نمائش و فروخت کے لئے بھی رکھا گیا تھا، شیخ محمد یوسف کا ہندی ترجمہ قرآن جس شخصیت نے شائع کیا، وہ ہیں پنڈت دولت شرما، یہ ترجمہ اسٹار پریس بازار ہال امرتسر سے اشاعت پذیر ہوا تھا۔

(ملخص از: دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کا حصہ، ص: ۱۵۸۔۱۵۵)

یہ ان ہندو بزرگوں کا حال تھا، جنھوں نے قرآن مجید کو پڑھا تھا اور براہ راست اس عظیم کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کرچکے تھے۔

بقیہ علی میاں بطور اقبال شناس

مولانا علی میاں نے مسعود عالم صاحب کو پٹنہ خط لکھا کہ آپ ان کی حیات و پیغام پر لکھیں اور میں ان کے کلام کو عربی جامہ پہناؤں گا مولانا علی میاں کہتے ہیں کہ ہم نے اس مہم میں باہمی تعاون کا وعدہ کیا مولانا مسعود عالم ندوی نے بعض عربی جرائد میں علامہ پر متعدد مضامین لکھے مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی چنانچہ عربوں کو اقبال سے روشناس کرانے کا فرض مولانا علی میاں نے ادا کیا اور خوب کیا۔ بقول رشید احمد صدیقی:

"کیا مبارک یہ اتفاق ہے کہ عربی زبان میں عرب قوم کو اقبال کے پیغام سے آشنا کرنے کا امتیاز سید صاحب کے حصے میں آیا۔"

اقبال کی شاعری اور فکر سے اسی وابستگی کا نتیجہ ہے کہ موضوع کچھ بھی ہو، اقبال کے اشعار ان کے محسوسات و جذبات کا روپ دھار کر مولانا علی میاں کی دلی ترجمانی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جب وہ ہسپانیہ جاتے ہیں اور اپنے بقول وہاں سے دل پر چوٹ لے کر آتے ہیں تو بے اختیار ان کا ذہن علامہ کے اس مصرعے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

آکسفورڈ یونیورسٹی میں پیش کردہ مقالے کو وہ پس چہ باید کرد۔۔۔ کی نظم حرفے چند با امت عربیہ پر ختم کرتے ہیں کہ اس سے ان کے خیال میں نہ صرف کانوں بلکہ دلوں اور روحوں کا ذائقہ بھی تبدیل ہوگا۔ مسلمانوں کے عروج و زوال پر بحث کے ضمن میں وہ امت مسلمہ کو امید کی شعاع قرار دیتے ہیں تو اقبال کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے بعض اشعار ان کے احساسات کے ترجمان بنتے ہیں۔ کبھی وہ عالم اسلام کے حالات پر اقبال کے الفاظ میں اس طرح شکوہ سنج ہوتے ہیں۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

اقبال کے بعض مصرعے اور ٹکڑے مولانا علی میاں کی تقاریر و مضامین کے عنوان یا ضمنی عنوان بنتے ہیں، جیسے پاجا سراغ زندگی، کسی جمشید کا ساغر نہیں میں ۔۔۔۔ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے، خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ۔۔۔ حرم اں ہے اک وہی باقی بتان آذری ۔۔۔ مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے ۔۔۔ وغیرہ۔ دراصل ان کی جملہ تصانیف میں علامہ اقبال فکر اقبال اور پیغام اقبال کی روح کارفرما ہے۔ ہمارے علمائے کرام میں غالباً کسی نے بھی علامہ اقبال سے اس قدر اعتنا نہیں کیا اور نہ ان کی شاعری سے اس قدر استشہاد کیا ہے۔ جتنا کہ مولانا علی میاں نے ۔۔۔۔

☆☆☆

اسوۂ رسول اکرم ﷺ

مخالفتوں کے طوفان میں دعوت کا آبشار

مولانا سید سلمان الحسینی

صفا کی پہاڑی پر وعظ کے بعد کھلم کھلا دعوت گلیوں میں، کوچوں میں، اور کعبہ مقدسہ کی دیوار کے نیچے مجمع کے سامنے اور منیٰ کے خیموں میں اور عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز وغیرہ کے بازاروں میں دینا شروع کر دی گئی، پھر کوئی دن دعوت کی مہم کے بغیر اور کوئی سال منیٰ میں آنے والے قبیلوں اور افراد سے ملے بغیر اور کھلی دعوت پیش کئے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ مخالفتوں کا طوفان بڑھتا جاتا تھا۔ کمزوروں پر دست درازی کی جارہی تھی، کسی کو برچھی ماری جارہی تھی، کسی کو کوڑوں سے پیٹا جارہا تھا، قبیلوں اور جتھوں والوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا تھا، معاملات ان سب سے خراب کئے جارہے تھے بائیکاٹ ان سے ہورہا تھا لیکن مسلمان صبر کی چٹان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحمل و برداشت کا پہاڑ بنے مقابلہ میں کھڑے تھے۔ بے خوف وخطر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گرجتا، دہکتا، بجلی کی طرح کوندتا اور طوفان اور آبشاروں کی طرح تند و تیز قرآن کا معجزانہ خطاب سناتے اور دشمن کو سکتہ میں ڈال دیتے، منیٰ کے خیموں میں جاتے، اپنا تعارف کراتے، خدا کی وحدانیت کا اعلان کرتے، بات کرنے کی درخواست کرتے اور پیچھے پیچھے ابولہب ہوتا، مخالفت کے جنون میں وہ کہتا چلتا، صابی کذاب صابی کذاب اس نے ہمارا دین چھوڑ رکھا ہے، اور یہ جھوٹا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس کی بات میں نہ آنا، تو لوگ جواب میں کہتے محمد! تمہاری باتیں بہت اچھی ہیں، لیکن جب تمہارے گھر والے تمہیں نہیں مان رہے ہیں، اور تمہارے شہر مکہ والے تمہیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، تو ہم کیسے یہ جوکھم لیں، ہم اگر مان لیں گے تو ہماری ان سے لڑائی ہو جائے گی، آئندہ پھر حج (سالانہ میلہ) میں آنے کا موقع بھی نہیں ملے گا، اس لئے بھائی ہمیں معاف رکھو، اکثر و بیشتر آپ کو اس طرح کا جواب ملتا تھا، آپ کی بات کو بالکل قطعی طور پر رد بھی نہیں کیا جاتا تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمت بھی کوئی نہیں کر پا رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی فزوں تر تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مجمع میں پہونچتے، میلوں میں پہونچتے، بازاروں میں جاتے اور دیوانہ وار اللہ کی بات سناتے۔ اور بازاروں میں جا کر یہ ارشاد فرماتے:

یا ایھاالناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا

اے لوگو! مان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

بتوں کو، مورتیوں کو، اور شرک کے تمام مظاہر ترک کر دو، توحید خالص اختیار کرو، ابراہیم کے نقش قدم پر چلو، جو بس اللہ کے تھے، اور بتوں سے نفور۔

توحید دعوت کا نقطۂ اولیں:

پیغمبروں کو خالص جاہلیت اور شرک کے ماحول میں جو اصلاحی کام سونپا جاتا ہے وہ نقطۂ توحید سے شروع ہوتا ہے، وہ توحید پر ساری محنت صرف کرتے ہیں، چاہے اس میں کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی سخت مشکلات پیش آئیں، اس لئے کہ توحید کی دعوت وہ اساس و بنیاد ہے کہ جس پر دین کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، یہ بنیاد جتنی پختہ ہوگی، جتنی زیادہ گہری ہوگی اتنی ہی عمارت مستحکم ہوگی اور اس کی منزلیں بلند ہوتی چلی جائیں گی، انبیاء کرام کی دعوت کا یہ نقطہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے کبھی بھی شارٹ کٹ اختیار نہیں کیا۔ یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا، کہ توحید کی دعوت میں دیر لگ رہی ہو، تو پھر انہوں نے راستہ مختصر کر دیا ہو، اور صرف اخلاق کا یا صرف عبادات کا، صرف حسن معاشرت، یا صرف انسانیت، یا صرف آپس کے میل ملاپ یا قومی یکجہتی کی دعوت شروع کر دی ہو۔

قرآن پاک میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، اور دیگر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حالات میں یہ حقیقت بالکل نمایاں ہے۔ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال دعوت کے کام میں مشغول رہے، اور صبح و شام دعوت دیتے رہے، کھلم کھلا دعوت دی اور چھپ چھپ کر بھی دعوت دی، نقطۂ توحید ہی پر سارا ارتکاز تھا، "اعبدواللہ" اللہ کی بندگی کرو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ سے استغفار کرو۔

کوئی متبادل فارمولہ نہیں:

بات سنی ان سنی کی جاتی رہی

وما آمن معہ الا قلیل

بہت تھوڑے سے لوگ ان کی دعوت پر ایمان لائے۔ (سورۃ ہود آیت۔۴۰)

وہ حکیم تھے، دانا اور بینا تھے، صاحب فراست تھے، صاحب بصیرت تھے، ان کا اسلوب دعوت نہایت اعلیٰ تھا، انبیاء و رسل اصحاب کمالات ہوتے ہیں۔ ان میں باکمال لوگوں کے مقابلے میں کوئی نقص و کمی نہیں ہوتی ہے۔ بات کہنے کا جو سلیقہ انہیں حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور کو کیا حاصل ہوگا! لیکن وہ ایسے پیر نہیں بن پاتے جن کے لاکھوں مرید بن جائیں! وہ ایسے شیخ نہیں بن جاتے جن کے ہزاروں عقیدت مند ہوں، وہ نیم تدین ظاہری دینداری اور صرف عبادت و حسن خلق پر قانع نہیں ہوتے وہ محض محبت، ارادت اور عقیدت کے طالب نہیں، وہ سب سے پہلے اللہ پر سچے اعتقاد اور اللہ سے مخلصانہ تعلق کا مطالبہ کرتے ہیں، اب اس میں پوری عمر لگ جائے اور ان کے حلقے میں صرف دو تین آدمی جمع ہوں تو کوئی حرج نہیں، اس کے لئے چاہے نو سو سال لگیں یا ساڑھے نو سو سال، افراد کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اور راستہ کتنا ہی دشوار گزار کیوں نہ ہو لیکن راستہ بدلنا اور کوئی متبادل حل تلاش کرنا اور مسئلہ توحید کو بعد کے لئے ٹھنڈے بستہ میں ڈال دینا انبیاء و رسل کا شیوہ اور طرز نہیں!

توحید کے بدلہ ہر تجویز پیش، اور رد:

قرآن پاک میں ان کے واقعات بار بار اسی مقصد کی خاطر بیان کئے گئے ہیں، کہ امت کے سامنے ان کا یہ نمونہ آجائے، حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اپنی دعوت یہیں سے شروع کی، اس نقطہ پر اتفاق نہیں ہو رہا تھا، ساری لڑائی اسی کے خلاف تھی، ہر پیشکش نبی کی اس پیشکش کو کنارے کرنے کے لئے کی جارہی تھی، لیکن آپ ﷺ مضبوطی سے نقطۂ حق پر قائم رہے اور بس اسی کے داعی رہے، جاہلیت کے علم بردار ہر تجویز لے کر آرہے تھے لیکن دعوت توحید سے ایسے بدکتے تھے۔

کانھم حمر مستنفرۃ فَرّت من قسورۃ۔

جیسے گدھے شیر کو دیکھ کر بھاگے جارہے ہیں۔

(سورۃ المدثر آیت ۵۰۔۵۱)

انہیں تعجب تھا تو اس پر

اجعل الالھۃ الھا واحدا ان ھذا لشیء عجاب۔

کیا انہوں نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا یہ تو نہایت تعجب کی بات ہے۔ (سورۃ ص آیت ۵)

سربرآوردہ افراد کا وفد خود آکر کہہ رہا تھا: اے محمد ﷺ! اگر تم اپنے اس مشن سے یہ چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں، اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ بڑے دولت مند بن جاؤ تو ہم تمہیں جتنا چاہو مال دینے کے لئے تیار ہیں اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں اعلیٰ خاندان میں نکاح کا موقع مل جائے تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں اور اگر تمہارے اوپر کوئی جن ہے، آسیب ہے تو اس کا علاج کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن آباء و اجداد کا مذہب چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

انہوں نے ابو طالب کے پاس آکر اپنی شکایتیں، پیش کشیں اور مطالبے رکھے، انہوں نے صاف کہا، کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکیے، انہوں نے خاندانوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے وہ ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتے ہیں وہ ہمارے باپ دادوں کو بے عقل بتلاتے ہیں، آپ بتائیں اسے کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر آپ انکو نہیں روکتے تو ہمارے حوالے کر دیجئے، ہم نمٹ لیں گے۔

ابوطالب بہت ہی زیادہ پریشان تھے وہی سہارا بنے ہوئے تھے، سارا بوجھ انہیں پر پڑ رہا تھا، گالیاں انہیں کو سنی پڑتی تھیں، لیکن چونکہ ایک محترم شخصیت تھے لہٰذا ان کے ساتھ تعرض کرنا بھی لوگوں کے لئے آسان نہ تھا، انہوں نے بھتیجے کو بلایا اور کہا: محمد ﷺ! تمہاری کیا رائے ہے؟ لوگوں نے عاجز کر رکھا ہے۔

دعوت سے دست برداری ممکن نہیں:

حضور اکرم ﷺ کے لئے یہ وقت ایسا تھا کہ دل بھر آیا، وہ ابو طالب جو باوجود ایمان نہ لانے کے حضور ﷺ کے لئے سینہ سپر بنے تھے آج وہ بھی تھکے اور مایوس نظر آرہے تھے، ابو طالب کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ! تم اپنی رائے بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ حضور ﷺ کا دل بھر آیا اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں، آپ ﷺ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ سورج لاکر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند لاکر میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تب بھی بخدا میں اس کام کو نہ چھوڑوں گا تا آنکہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے۔

ابو طالب کے سینے پر بجلی گری، بھتیجے کا یہ اضطراب و کرب دیکھ کر ابو طالب نے فیصلہ کیا کہ جو بھی ہو مجھے ان کا سہارا بنے رہنا ہے اور کسی دباؤ کو قبول نہیں کرنا ہے۔

کلمہ توحید سے عرب و عجم کی سربراہی:

ایک اور موقعہ پر سربراہان قریش، ذمہ داران قبائل، سرداران مکہ سے آپ نے داعیانہ جوش اور انبیائی جذبہ کے ساتھ فرمایا۔

کلمۃ تقولو نھا تملکون بھا العرب والعجم۔

صرف ایک بات ہے اگر اسے تم مان لو تو عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔

تو ابو جہل بولا ایک بات کی کیا بات کرتے ہو سو بات کو کہو ہم تیار ہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہو "لا الہ الا اللہ.......!" بس یہ کہنا تھا کہ لوگ بھنا گئے، ابو جہل اول فول بکنے لگا، لوگ کہنے لگے کیا ہم اپنے بتوں کو چھوڑ دیں اور آباء و اجداد کے طریقے کو چھوڑ دیں، مجلس اس پر برخواست ہوگئی، لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گشت:

حضور پاک ﷺ منیٰ میں جب تشریف لے جایا کرتے تھے ایک ایک قبیلے سے ملنے کی کوشش کرتے تھے۔ محدثین اور مورخین نے ان قبائل کی لمبی چوڑی فہرست دی ہے۔ جن سے ملنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور مکہ کے اطراف کے ان علاقوں کے بھی نام ذکر کئے ہیں جن میں آپ ﷺ کا جانا ہوا۔

داعی و مفتی کا فرق:

داعی اور فقیہ و قاضی کا یہی فرق ہے کہ داعی خود لوگوں کے پاس جاتا ہے درد دل بانٹتا ہے، محلہ محلہ چکر لگاتا ہے، ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، مفتی و قاضی لوگوں کا انتظار کرتا ہے، آپ ﷺ گھر نہیں بیٹھے رہتے تھے کہ جس کو سیکھنا ہو وہ آئے، جسے مسئلہ پوچھنا ہو وہ حاضر ہو، استفتاء لائے، بلکہ خود بنفس نفیس لوگوں کے پاس جاتے تھے، دعوت کا یہ طرز، اور توحید پر اصرار انبیاء و مرسلین کا طرز ہے اسی کے ذریعہ وہ لوگوں پر حجت قائم کرتے ہیں وہ قومی یکجہتی اور دیگر انسانی موضوعات پر اس وقت تک اتفاق نہیں کرتے جب تک توحید تسلیم نہ کرلی جائے، ارشاد ربانی ہے۔

رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل۔ (سورۃ المائدۃ آیت۔۱۶۵)

یہ پیغمبر اللہ نے بھیجے جن کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو خوشخبری دیں اور لوگوں کو ڈرا دیں تا کہ پھر لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت و دلیل باقی نہ رہنے پائے۔

کوئی عذر ان کے پاس نہ رہے، وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہمارے پاس تو تیرا کلام پہونچا ہی نہیں، ہمارے پاس کوئی نبی آیا ہی نہیں ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ تو ایک ہے اور تیری صفات یہ ہیں، تیرے کمالات یہ ہیں، ہمیں کسی نے نبی کا تعارف کرایا ہی نہیں، یہ کہنے کا موقع نہ رہے اگر انہیں یہ کہنے کا موقعہ ہے، اور ان کے پاس یہ دلیل ہے تو کیا عجب ہے کہ مسلمان کل اللہ تعالیٰ کی عدالت میں بحیثیت مجرم کھڑے ہوں، اور ان سے یہ سوال ہو کہ تم نے برادران وطن تک، تم نے ان افراد تک جو کلمہ توحید سے روشناس نہیں ہوئے تھے حق کیوں نہ پہونچایا؟

☆☆☆

اکابرِ ندوہ اور

باطل فرقوں کے استیصال کیلئے جدوجہد اور فکرمندی

(رسائل وجرائد کی فائلوں کی روشنی میں)

(شعبۂ دعوت وارشاد ندوۃ العلماء کا ایک سہ روزہ فکری وتربیتی پروگرام، ۱۷ تا ۱۹ فروری مطابق ۲۵ تا ۲۷ ذی الحجہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا مولانا حافظ ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی صاحب کی رہنمائی وفکرمندی اور خصوصی دلچسپی کی وجہ سے یہ پروگرام نہایت مرتب تھا اور امید ہے کہ اس کے دوررس مفید نتائج برآمد ہوں گے، انشاء اللہ۔ اس تربیتی کیمپ سے مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب، مولانا نذرالحفیظ ندوی، مولانا خالد غازی پوری، مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی، مفتی سرور فاروقی، مولانا ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی اور دیگر جید علماء کرام نے مختلف باطل فرقوں اور مذاہب کے موضوعات پر خطاب کیا۔ باطل مذاہب اور تحریکوں کے رد اور استیصال کے لئے علماء کرام اس سے قبل بھی برابر کوشاں رہے ہیں۔ مذکورہ پروگرام کی مناسبت سے ذیل میں پیش ہے ماضی میں بھی کی گئیں ایسی کوششوں اور فکرمندیوں کی ایک ہلکی سی جھلک، یہ پروگرام بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا)

''لاہور کے شاہدرہ اسٹیشن سے چند اسٹیشنوں کے بعد ایک قصبہ ''بدوملہی'' ہے ہم نے حیرت کے ساتھ سنا کہ یہ چھوٹا سا قصبہ ہندوستان بھر کے مذاہب کا اکھاڑہ ہے، قادیانی، اور احمدی لاہوری جماعتوں کے علاوہ عیسائیوں اور آریوں کا بھی بڑا مرکز ہے، اور کس قدر افسوس کے ساتھ سنا کہ ایک مسلمان زمیندار خاندان یہاں عیسائی ہوگیا ہے، یہاں کے غریب مسلمان جو زیادہ تر کاشتکار اور مزدور پیشہ ہیں، وہ ان مختلف تحریکات اور ترغیبات کا شکار ہورہے ہیں، چند سال سے یہاں بعض مسلمانوں نے ایک اسلامی انجمن کے ذریعہ اپنی تنظیم کا کام شروع کیا ہے، ۱۳/ اپریل کی دوپہر کو یہاں کے مسلمانوں کے شدید اصرار پر لاہور اسٹیشن سے یہاں جانا پڑا، وہاں مسلمانوں کی اصلاحات پر دو دن دو تقریریں کیں۔ (معارف ماہ مئی ۱۹۳۳ء)

☆☆☆

آج کل جزیرہ ٹرینی ڈاڈ سے جو امریکہ کے قریب انگریزی عمل داری ہے، ایک مسلمان جنکے باپ دادا یہیں کے رہنے والے تھے، یہاں اس غرض سے آئے ہوئے ہیں کہ یہاں سے کوئی انگریزی داں عالم اپنے ملک کو لے جائیں، ان صاحب سے پہلی ملاقات لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ میں ہوئی، اور دوسری لاہور میں ہوئی، ان کا بیان ہے کہ ان کے جزیرہ میں پچیس تیس ہزار مسلمان آباد ہیں، ان کی چند مسجدیں بھی ہیں مگر چونکہ ان کے پاس اسلام پر انگریزی لٹریچر نہیں، اور نہ ان کے بچوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام ہے، اس لئے اکثر نوجوان عیسائی مذہب نہیں، تو عیسائی تمدن میں گرفتار ہوتے جاتے ہیں، اگر ان کی یہی غفلت رہی، تو شاید ایک زمانہ میں وہ مسلمان باقی بھی نہ رہیں۔

یہ صرف جزیرہ ٹرینی ڈاڈ کا سوال نہیں۔ بلکہ ان تمام نوآبادیوں کا سوال ہے، جہاں مسلمان نوآبادکار بسے ہیں، مارنشس، آسٹریلیا، مڈگاسکر، جنوبی ومشرقی افریقہ اور دیگر مقامات جہاں جہاں مسلمان جاکر بسے ہیں، وہاں وہ صرف مزدوری تجارت اور بیوپار کے لئے گئے، اور اپنی اصل سے کٹ گئے اب ان کی اولاد در اولاد وہاں آباد ہے، اور اب تک اپنے باپ داداؤں کے بتائے اور سکھائے ہوئے مذہب کو سینہ سے لگائے ہیں۔ مگر یہ روایتی مذہب کب تک چل سکتا ہے، عیسائی مشنری اور دوسرے فرق باطلہ جن میں پیش پیش قادیانی ہیں، ان کی تلاش میں منڈلا رہے ہیں، ضرورت ہے، کہ ان مقامات کے مسلمانوں کی حفاظت اور تعلیم وتربیت کا خاطر خواہ سامان جائے۔ (معارف ماہ فروری ۱۹۳۵ء)

☆☆☆

کلکتہ سے ایک خادم اسلام اپنے بے نام ونشان خط میں لکھتے ہیں:

''اس وقت پنجاب میں تین بڑے فتنے ہیں، قادیانی تحریک، منکرین حدیث کی تحریک اور عنایت اللہ مشرقی کی تحریک، آپ کا اسلامی فرض ہے کہ آپ ان فتنوں کی تردید میں رسالہ معارف میں مضامین شائع کریں''

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دوست معارف کے پرانے ناظرین میں سے نہیں ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ معارف نے اپنے رنگ میں ان تینوں سلسلوں کے متعلق اپنا فرض ادا کیا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ادا کرے گا۔ (معارف ۱۹۳۸ء)

☆☆☆

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فتنہ قادیانیت کی وجہ سے جب نوجوان نسل میں ذہنی وفکری ارتداد کی لہر دیکھی تو انہوں نے ''ردۃ ولا أبی بکر لها'' کے نادر اور اچھوتے عنوان سے ایک فکر انگیز مضمون لکھا۔ بعد ازاں اپنے شیخ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خصوصی فرمائش پر ''القادیانی والقادیانیۃ'' کے نام سے عربی میں معرکۃ الآرا کتاب لکھی جس نے عربوں کو فتنہ ارتداد سے روشناس کرانے اور اس کے سد باب میں اہم اثرات مرتب کئے ہیں، یہ کتاب قادیانیت کے نام سے اردو میں بھی شائع ہوچکی ہے، اس کتاب کی تیاری اور معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی امیر مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مبلغ ختم نبوت مولانا محمد حیات نے اہم خدمات انجام دی تھیں۔

مولانا محمد حیات مبلغ ختم نبوت کے نام مولانا علی میاں نے ایک مفصل خط لکھا جس کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے: مولانا محمد حیات صاحب کی خدمت میں سلام۔ ان سے فرمایئے گا کہ ان کے کچھ مہربان (قادیانی) یہاں بھی موجود ہیں اور کچھ مجاہد بھی ہیں جو مولانا ہی کی طرح آستین چڑھائے ان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور وہ بے چارے کونوں میں دبے رہتے ہیں ہمیں تو آج تک ان کی زیارت کا شرف نہیں حاصل ہوا نہ آرزو ہے۔ (قافلۂ ادب اسلامی لاہور)

(فروری تا اپریل سنہ ۲۰۰۰ء)

حیات ونزول مسیح کی حتمی بحث

مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہارویؒ

قرآن کے اعجاز بلاغت اور اسلوب بیان لطافت سے مستفید ہونے کے لئے چند سطور اس مسئلہ پر بھی سپرد قلم کردینا مناسب ہے کہ قرآن نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے قیام ارضی کو ''مادمت فیهم'' سے اور کائنات ارضی سے انقطاع تعلقات کو ''توفیتنی'' سے کیوں تعبیر کیا؟

لغت اور معانی کے حوالوں سے تو یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ''توفی'' کے حقیقی معنی ''اخذ و تناول'' (لے لینے اور قبضہ کرلینے) کے ہیں اور موت کے معنی میں بطور کنایہ اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہ کہ کنایہ میں حقیقی معنی برابر ساتھ ساتھ رہتے ہیں، مجاز کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ حقیقی معنی سے جدا ہوکر لفظ غیر موضوع لہ میں استعمال ہونے لگے، پس اگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق قرآن کا عقیدہ یہ ہوتا کہ ان کو موت آچکی اور سوال وجواب کا یہ سلسلہ موت کے اسی وقت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت کے دن سے، تو پھر بلاغت ومعانی کا تقاضا یہ تھا کہ اس موقع پر ''حیات'' اور ''موت'' ایک دوسرے کے متضاد الفاظ کو استعمال کیا جاتا تاکہ یہ حقیقت واضح ہوسکتی کہ سوال وجواب کا معاملہ ''موت'' کے ہم قرین ہے اور پھر لفظ ''موت'' کی صراحت اپنے مقابل لفظ ''حیات'' کی طالب ہوتی مگر قرآن نے ان دونوں الفاظ کی بجائے ''مادمت فیهم'' کو ''حیوۃ'' کی اور ''توفی'' کو ''موت'' کی جگہ استعمال کیا ہے تو یہ کس لئے اور کس مقصد سے؟ یا بغیر کسی حکمت ومصلحت کے یہ اسلوب اختیار کرلیا؟ جمہور امت تو اس کا ایک ہی جواب رکھتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے دوسرے مقامات کی طرح اس مقام پر بھی اعجاز وایجاز سے کام لیا ہے اور ان دو لفظوں میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی رفع، نزول اور موت تمام مراحل کو سمو دینا چاہتا ہے، وہ اگر یہ کہتا ''ماحییت'' میں جب تک زندہ رہا، اور ''فلما امتنی'' پس جب تونے مجھ کو موت دے دی، تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھی عام حالات کے مطابق دو ہی مراحل پیش آئے ہیں، ''زندگی'' اور ''موت'' ان دونوں مرحلوں کے درمیان کوئی خاص صورت حال پیش نہیں آئی، لیکن جب کہ یہ خلاف واقعہ تھا اور ان کی زندگی اور موت کے درمیان دو اہم مراحل پیش آچکے ہوں گے ایک ''ملاء اعلیٰ کی جانب بقید حیات رفع'' اور دوسرے ''کائنات ارضی پر دوبارہ رجوع (نزول)'' اس لئے از بس ضروری ہوا کہ حیات اور موت کی جگہ دو ایسے الفاظ اختیار کئے جائیں جو ان چاروں مراحل پر صادق آسکیں اور جب کہ متعدد مقامات پر حسب حال ان مراحل کی تفصیل بیان ہوچکی ہے تو اعجاز بلاغت کا یہی تقاضا ہے کہ اب ان کو ایجاز واختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

صورت حال کا یہی نقشہ تھا جس کے لئے قرآن عزیز نے ''ماحییت'' کی جگہ ''مادمت فیهم'' استعمال کیا تاکہ جملہ اختصار کے ساتھ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی زندگی کے دونوں حصوں پر حاوی ہوجائے، اس حصہ پر بھی جو ابتداء زندگی سے شروع ہوکر ''رفع إلی السماء'' پر ختم ہوتا ہے اور اس حصہ پر بھی جو ''نزول ارضی'' سے شروع ہوکر ''موت'' پر جاکر ختم ہوجاتا ہے اور اسی طرح قرآن نے ''فلما امتنی'' کا اسلوب بیان اختیار کیا تاکہ یہ جملہ بھی پہلے کی طرح باقی دونوں مرحلوں کو اپنے اندر سمولے، اس مرحلہ کو بھی جو ''رفع إلی السماء'' کی صورت میں پیش آیا اور اس مرحلہ کو بھی جو نزول کے بعد ''موت'' کی صورت میں نمودار ہوا کیونکہ موت سے تو صرف ایک ہی حقیقت ظاہر ہوسکتی تھی مگر ''توفی'' میں بیک وقت دونوں حقیقتیں موجود تھیں، حقیقی معنی کے لحاظ سے صرف ''اخذ و تناول'' اور کنایہ کے اعتبار سے ''اخذ و تناول'' کے ساتھ ساتھ ''موت'' جیسا کہ سطور بالا میں ''کنایہ'' اور ''مجاز'' کے باہمی فرق سے معلوم ہوچکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے: خدایا! جو وقت میں نے ان کے درمیان گزارا، اس کے لئے تو بے شک میں شاہد ہوں لیکن ''توفی'' کے اوقات میں ان پر فقط تو ہی نگہبان رہا، باقی تیری شہادت تو ہر حالت میں ہر وقت ہر شے پر حاوی ہے۔

مسئلہ متعلقہ کی یہ پوری بحث اس سے قطع نظر کہ نبی معصومؐ نے آیات کی تفسیر میں کیا ارشاد فرمایا ہے، لغت، معانی، بلاغت کے پیش نظر تھی، ورنہ ان آیات کی تفسیر میں ایک مومن صادق کے لئے وہ صحیح مرفوع احادیث کافی ہیں، جن کو محدثین نے بسند صحیح روایت کیا ہے، مثلاً مشہور محدث حافظ ابن عساکرؒ نے بروایت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) نبی اکرم ﷺ سے جو حدیث نقل کی ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی بلائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اول ان کے سامنے اپنی ان نعمتوں کو شمار کرائے گا جو دنیا میں ان پر نازل ہوتی رہیں اور عیسیٰ (علیہ السلام) ان سب کا اعتراف کریں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ءأنت قلت للناس اتخذونی وامی الٰهین من دون الله'' تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) انکار فرمائیں گے، پھر نصاریٰ بلائے جائیں گے اور ان سے سوال کیا جائے گا وہ دروغ بیانی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں! عیسیٰ نے ہم کو یہی تعلیم دی تھی، یہ سن کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر سخت خوف طاری ہوجائے گا، بدن کے بال کھڑے ہوجائیں گے اور خشیت الٰہی سے ان کا رواں

رواں بارگاہ صمد میں سجدہ ریز ہوجائے گا اور یہ مدت ایک ہزار سال معلوم ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کردی جائے گی اور ان کی خودساختہ صلیب پرستی کا راز فاش کردیا جائے گا اور پھر ان کو جہنم میں جھونک دیئے جانے کا حکم ہوجائے گا۔"

(تفسیر ابن کثیر جلد اول، سورہ مائدہ)

اور محدث ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ سے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن عیسیٰ (علیہ السلام) سے ان کی امت کے متعلق سوال کرے گا تو اپنی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام پر جواب بھی القاء کردے گا۔" اور اس القاء کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر القاء ہوگا کہ وہ یہ جواب دیں:

﴿سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق﴾ (تفسیر ابن کثیر جلد اول، سورہ مائدہ)

اور صحیحین (بخاری ومسلم) اور سنن میں جو حدیث شفاعت منقول ومشہور ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے اور معاملہ کے پیش آنے سے قبل خائف وہراساں ہوں گے، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بھی ان میں سے ایک ہوں گے اور ان پر یہ خوف طاری ہورہا ہوگا کہ جب ان سے امت کی مشرکانہ بدعت پر سوال ہوگا تو وہ درگاہ صمدی میں کس طرح اس سے عہدہ برآ ہوسکیں گے؟

الحاصل سورۂ مائدہ کی ان آیات کی تفسیر وہی صحیح ہے جو جمہور امت کی جانب سے منقول ہے اور قادیانی اور لاہوری کی تفسیر بالرائے الحاد وزندقہ سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ☆☆☆

ندوی فضلاء کی خدمت میں ایک گذارش:

ندوی فضلاء کی ڈائریکٹری

کی تیاری میں آپ کا تعاون درکار ہے

مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغین ارباب علم وفضل کے لئے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ ندوۃ کا کمپیوٹر وانٹرنیٹ سیکشن ایک ایسی ڈائرکٹری تیار کررہا ہے جس میں جملہ ندوی فضلاء سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات درج ہوں۔

۱- مکمل نام ۲- پتہ (عارضی ومستقل)
۳- ندوہ میں زمانہ طالب علمی کی مدت اور تعلیم کی تفصیل (مع سنین) ۴- سن فراغت
۵- موجودہ مشغلہ ۶- فون/موبائل نمبر/ای میل کا پتہ
۷- تصنیفات وتالیفات ۸- دیگر امور جو آپ کے نزدیک ضروری ہوں۔

مراسلت درج ذیل پتہ پر کریں:

کرنل محسن شمسی صاحب، انٹرنیٹ سکشن

ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ۔۷

mohsinfirst@yahoo.co.uk

تعمیر حیات کے پہلے صفحہ پر درج ای میل اڈریس پر بھی رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

Ph : 2217956 *Mohd. Faizan Nadwi*

حرمین بک ڈپو

HARAMAIN BOOK DEPOT

حرمین ٹریڈرس

HARAMAIN TRADERS

❑ HOLY QURAN ❑ ISLAMIC BOOKS ❑ KALONJI OIL

& KALONJI PRODUCTS SUPPLIER

❑ LEATHER SOCKS ❑ KHOJATI SURMA

(Markaz, Masjid) Katchehri Road,

Aminabad. Lucknow-18

دل کی درستگی ایمان کی درستگی ہے

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

دل آئینہ وجود ہے، اس کا ماحصل اور حقیقی ترجمان ہے، دل کی مثال ایک حکمراں کی ہے، جس کے تابع اعضاء اور جوارح انسانی اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں، دل کی حالت درست ہے تو اعضاء انسانی کے افعال بھی درست ہوتے ہیں اور اگر دل کی حالت بگڑی ہوئی ہے تو اعضاء انسانی سے صادر ہونے والے اعمال بھی فساد کا موجب بن جاتے ہیں، لہذا دل کی فکر سب سے زیادہ کرنی چاہئے، انسانی وجود میں اگر کوئی قیمتی شئے ہے تو وہ زبان اور دل ہے، ان دونوں کی درستگی ایمانی استقامت کی دلیل ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد عالی ہے۔

لا يستقيم ايمان احد حتى يستقيم لسانه ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه

(مسند احمد)

(کسی شخص کا ایمان درست نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی زبان درست ہو اور زبان کی درستگی دل کی درستگی پر موقوف ہے۔)

لہذا دل وزبان کی حفاظت کرنی چاہئے، ان دونوں میں دل کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے کہ دل احساسات، تخیلات، انفعالات، تاثرات، شعور ووجدان، جذب وکیفیات، شوق ووارفتگی کا سرچشمہ ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔

الا ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهى القلب

(سن لو، بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوگا تو سارا جسم درست ہوگا، اور جب وہ بگڑ جائے گا تو سارا جسمانی نظام بگڑ جائے گا، سن لو وہ دل ہے۔)

حضرت لقمان بڑے حکیم اور دانا تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ حبشی غلام تھے، ان کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے، بلکہ پوری ایک سورہ کا نام لقمان ہے، ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے آقا نے کہا کہ بازار جاکر ایک بکرا خرید کر لاؤ، اور اسے ذبح کرکے اس کی دو بوٹی جو سب سے زیادہ پاکیزہ ہو میرے پاس لاؤ، حضرت لقمان بازار جاکر بکرا خرید کر لائے اور ذبح کرکے اس کا دل اور اس کی زبان آقا کی خدمت میں پیش کردیا، چند دنوں کے بعد آقا نے پھر کہا بازار جاکر ایک بکرا خرید کر ذبح کرو اور دو بوٹی جو سب سے زیادہ خراب ہو اس کو پیش کرو، حضرت لقمان نے اس دفعہ بھی آقا کے کہنے کے مطابق دو بوٹی زبان ودل بکرا ذبح کرکے پیش کردی، آقا کو تعجب ہوا کہ جب میں نے کہا کہ سب سے پاکیزہ دو بوٹی پیش کرو تو زبان ودل کو پیش کیا اور جب کہا کہ سب سے خراب بوٹی پیش کرو تو بھی زبان ودل ہی کو پیش کیا، اس کا راز کیا ہے، آقا نے حضرت لقمان سے استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا کہ حقیقت میں جسم میں یہی دو ایسی بوٹیاں ہیں کہ اگر پاک وصاف ہیں تو پورا وجود پاک وصاف ہے اور اگر یہ دو بوٹیاں بگڑ گئیں اور خراب ہوگئی ہیں تو پورا وجود بگڑ گیا اور خراب ہوگیا ہے، اس لئے میں نے دونوں دفعہ انہیں کو پیش کیا، آقا یہ حکیمانہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔ (ابن کثیر)

اس پر غور کیجئے تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج کا سارا فساد دل وزبان کے بگڑنے ہی سے پیدا ہوا ہے، دل فکر وعمل کے باہمی ربط میں قائدانہ کردار ادا کرتا ہے، اگر دل چاہتا ہے تو ہر مشکل کام آسان اور حظ نفس کا باعث ہوجاتا ہے، اور اگر دل نہیں چاہتا تو معمولی کام بھی بار خاطر اور بوجھ بن جاتا ہے۔

برے اعمال سے دل متاثر ہوتا ہے، دل کا نور دل کی بصیرت ختم ہوجاتی ہے، بار بار گناہ کرنے سے دل زنگ آلود ہوجاتا ہے، اور زنگ اگر لوہے کو لگ جائے تو وہ ازکار رفتہ ہوجاتا ہے، اس کی قدر وقیمت جاتی رہتی ہے، اسی طرح دل کا حال ہے، وہ زنگ آلود ہوتا ہے تو معرفت خداوندی، ذکر الٰہی، اور محبت ایزدی سے محروی ہوجاتی ہے دل کے بغیر انسانی وجود سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا اصابه الماء، قالوا ما جلاءها يا رسول الله قال كثرة تلاوة القرآن وذكر الموت (حدیث)

(بیشک دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا، اللہ کے رسول ﷺ دل کو مانجھنے اور صاف رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت اور موت کو یاد کرنا۔)

زنگ آلود دل مردہ دل ہے ــــ جس میں خیر کے قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہوجاتی ہے، رفتہ رفتہ اس کی تیرگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور بصیرت چھن جاتی ہے، حق کی راہیں تاریک ہوجاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور (قرآن)

(بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہیں، لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے (بے بصیرت) ہوگئے ہیں)

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون

(ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دل ان کے (برے) اعمال ہی سے زنگ آلود ہوگئے ہیں۔ ہرگز نہیں! بیشک وہ لوگ اپنے رب (کی زیارت) سے اس دن دور محجور ہوں گے۔)

دل کی صفائی اور پاکیزگی قرب خداوندی کا ذریعہ ہے، اور اس کی ناپاکی رحمت الٰہی سے دوری کا سبب ہے، خدا کی یاد تلاوت قرآن پاک اور تنہائی میں اس ذات بے ہمتا کا خیال دل کی پاکیزگی اور طہارت اور بیداری کا سبب ہے، انسان کا دل اگر فولاد ہے تو اللہ کی یاد مقناطیس ہے اور مقناطیس فولاد کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اگر دل میں اللہ سے تعلق وعشق نہیں تو وہ دل نہیں بلکہ گل (مٹی) سے بھی گیا گزرا ہے، حضرت امیر خسرو کا شعر ہے۔

ہر دل بے عشق را من دل نہ گفتم
تن بے سوز را جز گل نہ گفتم

☆☆☆

عالمی خبریں

سید معید اشرف ندوی

□ ۲۵ فروری کویت کا قومی دن ہے، کویت خلیج کے شمال مشرق کونے میں واقع ہے، جس کے جنوب اور جنوب مغرب میں سعودی عرب ہے اور شمال اور مغرب میں عراق واقع ہے، کویت کا رقبہ (۱۷،۸۱۸) مربع کیلومیٹر ہے، جس کا زیادہ تر حصہ ریگستان پر مشتمل ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ کویت کی آبادی کا زیادہ تر حصہ غیر کویتی افراد پر مشتمل ہے، اس کا اندازہ ان اعداد وشمار سے ہوتا ہے کہ ۱۹۹۰ء کی مردم شماری کے مطابق کویت کی جملہ آبادی (۲۱،۲۵،۰۵۳) تھی جس میں غیر کویتی افراد کی تعداد (۱۵،۶۰،۷۹۱) تھی جب کہ کویتی باشندے صرف (۵،۶۴،۲۶۲) تھے۔

کویت میں الصباح خاندان کی حکمرانی کی ابتداء ۱۷۵۶ء میں ہوئی، کویت کے موجودہ حکمران (امیر) ہز ہائنس شیخ جابر الاحمد الجابر الصباح ہیں جو صباح خاندان کے تیرہویں حکمران ہیں، آپ ۱۹۲۸ء کو کویت میں پیدا ہوئے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء کو امیر کویت کے منصب پر فائز ہوئے۔

شیخ سعد عبد اللہ الصباح (جو سابق امیر شیخ عبد اللہ سالم الصباح کے بڑے فرزند ہیں) کویت کے موجودہ ولی عہد اور وزیر اعظم ہیں، کویت میں حکمرانی موروثی ہے، امیر کویت کے جانشینوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مرحوم شیخ مبارک الصباح کے سلسلہ نسب سے ہوں۔

کویت ایک خود مختار عرب مملکت ہے جہاں پر ایک جمہوری طرز کی حکومت قائم ہے، ملک کا ایک ضابطہ تحریر کردہ دستور ہے جو کہ ۲۹ جنوری ۱۹۶۳ء سے نافذ ہے، جس کے تحت کویت کی پہلی نیشنل اسمبلی تشکیل دی گئی تھی، دستور کے بموجب ملک کے مقتدر اعلیٰ اس کے عوام ہیں، دستور کے تحت مقننہ (قانون سازی) کے تمام اختیارات امیر کویت اور نیشنل اسمبلی کو حاصل ہیں، جب کی عاملانہ اختیار امیر، ان کے وزراء اور کیبنیٹ کو حاصل ہیں۔

کویت کے دستور کی آرٹیکل (۲) کے تحت ملک کا مذہب اسلام ہے اور ملک کی قانون سازی شریعت اسلامی کے مطابق ہے، کویت میں (۷۰) سے زائد مساجد ہیں، کئی امدادی اور فلاحی انجمنیں اور ادارے قائم ہیں جو مسلمانان عالم کے لیے ترقی کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔

□ امریکا نے لیبیا کے رہنما کرنل معمر قذافی سے وعدہ کیا ہے کہ لیبیا کے سیاسی نظام کو تبدیل کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور وہ جب تک اقتدار میں رہنا چاہیں گے امریکہ کو اعتراض نہیں ہوگا، سفارتی ذرائع کے مطابق گزشتہ ہفتے لندن میں دونوں ملکوں کے مذاکرات کے دوران لیبیا نے اس وعدے کے بدلے میں یقین دلایا کہ امریکی کمپنیوں کو کسی رکاوٹ کے بغیر لیبیا میں تیل نکالنے کی اجازت ہوگی، ان کمپنیوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے گا اور امریکی شہریوں کو لیبیا میں آزادی کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت ہوگی، تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے دونوں ملکوں نے اعلیٰ سطح کی ایک کمیٹی قائم کی ہے جس کے پہلے اجلاس میں شرکت کے لئے امریکی وفد عنقریب طرابلس جائے گا، امریکہ نے لیبیا کے ایک وفد کو بھی دورے کی دعوت دی ہے جو امریکی تعلیمی اداروں میں لیبیا کے طلبہ کو داخلہ دلانے کا طریقہ کار طے کرے گا، فی الحال دونوں ملکوں کے درمیان سفر پر پابندی عائد ہے مگر ان ذرائع نے بتایا کہ امریکہ آئندہ ماہ لیبیا کا نام ان ملکوں کی فہرست سے خارج کردے گا جن پر دہشت گردی کی پشت پناہی کرنے کا الزام ہے، صدر بش لیبیا کے خلاف عائد اقتصادی پابندیاں ختم کرنے کے قانون پر فروری کے آخر میں دستخط کرنے والے ہیں، امریکہ نے اپنے مفادات کی دیکھ بھال کے لئے ۲۴ سال بعد طرابلس میں سفارتی دفتر دوبارہ کھول دیا ہے، ان ذرائع کے مطابق لیبیا میں بڑے پیمانے پر امریکی سرمایہ کاری کی توقع ہے، اب تک جن امریکی کمپنیوں نے لیبیا میں تیل نکالنے کی اجازت مانگی ہے ان میں اوکیسیڈنٹل مراتھن، کونوکو اور امرڈا شامل ہیں۔

□ امریکی ریاست ورجینیا بھی ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدوار جان کیری نے ریاستی انتخاب جیت لیا ہے، بی بی سی کے مطابق اب ۱۵ میں سے ۱۲ ریاستوں میں جان کیری فاتح ہیں اور اب یہ بات بڑی حد تک واضح ہوگئی ہے کہ نومبر میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں وہ موجودہ صدر جارج ڈبلیو بش کے حریف ہوں گے، دریں اثناء نیٹو فورس کے سابق کمانڈر اور امریکی صدراتی امیدوار ویزلے کلارک صدارتی انتخابات سے دستبردار ہوگئے، بی بی سی کے مطابق کلارک نے ریاستی انتخابات میں کم ووٹ لئے تھے، پارٹی کی امیدواری کے لئے ہونے والے انتخابات میں جان کیری پہلے جب کہ جان ہاورڈ دوسرے نمبر پر ہیں، شروع میں عام خیال یہی تھا کہ ویزلے کلارک امریکی صدارتی انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار ہوں گے، مگر پارٹی کے انتخابات میں انہیں سب سے کم ووٹ ملے۔

□ یمن کے صدر علی عبد اللہ صالح نے عرب لیگ کو یورپی یونین کی طرز پر عرب یونین میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی ہے تاکہ اس کے رکن ممالک عالمی سطح پر زیادہ کردار اور زیادہ اہمیت حاصل کرسکیں، قاہرہ میں عرب لیگ کے سربراہ امر موسیٰ کے ہمراہ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یمن نے عرب یونین کی تجویز دی ہے جس کا مقصد عرب ممالک کو علاقائی اور عالمی سطح پر زیادہ مؤثر بنانا ہے تاہم اگر عرب ممالک کے خدشات ہوں یا اس سے یونین بنانا قبل از وقت تصور کرتے ہوں تو ہم دیگر سنجیدہ تجاویز پیش کرنے کے لئے تیار ہیں، علی عبد اللہ نے عرب لیگ کے سربراہ اور مصری صدر کے ساتھ ملاقاتوں میں عمومی عرب صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ ☆☆☆

رائے بریلی میں جلسۂ اصلاح معاشرہ

مولانا محمود حسن حسنی ندوی

رائے بریلی میں مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر تیندوا میں ایک بڑے جلسۂ عام میں جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں مگر ہماری زندگیوں میں ایسی باتیں داخل ہوگئی ہیں جو اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتیں بلکہ اسلام نے ان کے کرنے سے سختی سے روکا ہے مگر ہم ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ہوتا یہ ہے کہ آدمی جس چیز کا عادی ہوجاتا ہے وہ چیز اس سے چھوٹنا مشکل ہوتی ہے اس کے لئے ہمت کرنی پڑتی ہے اس لئے اس کے لئے ہم کو ہمت کرنی پڑے گی، انہوں نے کہا کہ کوئی اپنے کھیت میں کانٹے بوئے اس میں چلے تو وہ زخمی ہوگا، آدمی کا معاملہ آخرت کے ساتھ ایسا ہی ہے دنیا آخرت کی کھیتی ہے، انہوں نے کہا کہ اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ ہم کو جو کچھ ملا ہے یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے، اللہ نے اس لئے دیا کہ ہم اس کے بندے ہیں، جب بندے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے اور اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں برائیاں عام ہوجاتی ہیں، تو اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے لوگوں میں ہی سے نبی بھیجتا رہا ہے، لوگوں کے بات نہ سمجھنے اور نہ ماننے پر پکڑ کی گئی اور عذاب آیا، حضرت نوح نے ساڑھے نو سو سال سمجھایا پھر عذاب آیا اور ایسا عذاب آیا کہ پہاڑ بھی ڈوب گئے اس لئے یہ بہت خطرناک بات ہے کہ اللہ کے بندے سمجھائیں اور لوگ اس پر دھیان نہ دیں انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم پر عمل کرنے کی ان باتوں کی ذمہ داری ڈالی جن پر عمل آسان ہے۔

مولانا کے صدارتی خطاب سے پہلے مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اصلاح معاشرہ کے یہ جلسے سماج سدھار کے جلسے ہیں، انہوں نے اپنے تفصیلی خطاب میں شرک کی مذمت کرتے ہوئے معاشرہ سے سود کی لعنت ختم کرنے کی پرزور اپیل کی اور کہا کہ یہ ایک ایسی لعنت ہے جس کے کرنے والے سے اللہ نے جنگ کا اعلان کیا ہے، انہوں نے وعدہ خلافی، جھوٹ، دھوکہ تجارت میں بددیانتی، آپسی جھگڑوں کو بھی دور کرنے کو کہا۔

اصلاح معاشرہ کے اس پروگرام میں اطراف اور شہر رائے بریلی کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی، جلسہ کی نظامت مولانا انوار عالم صاحب استاد مدرسہ فلاح المسلمین نے کی، اور مولانا اسد اللہ ندوی و دیگر مقررین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، اصلاح معاشرہ کا یہ جلسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تحریک اصلاح معاشرہ کے تحت ہوا، مولانا بلال حسنی ندوی اس کے خصوصی کنوینر تھے۔

☆☆☆

شرائط ایجنسی

۱-پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔

۲-فی کاپی پندرہ روپئے کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔

۳-کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱-فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ چالیس روپئے۔

۲-فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ پچاس روپئے۔

۳-کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا۔

۴-اشتہار کی نصف رقم کی پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

۵-انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم فی سینٹی میٹر اسی روپئے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اہم کتاب

اصلاحیات

مندرجہ ذیل موضوعات پر

☆ روشنی کا مینار ☆ مرد خدا کا یقین ☆ نیا خون ☆ مذہب یا تہذیب ☆ یہ اخلاقی گراوٹ کیوں؟ ☆ ہندوستانی سماج کی جلد خبر لیجئے ☆ آنکھوں کی سوئیاں ☆ دنیا کی سالگرہ ☆ مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر ☆ صورت وحقیقت ☆ انسان کی تلاش ☆ دنیا کی فلاح اور انسان کا کردار۔

خوبصورت کتابت وطباعت۔ قیمت/۴۰ روپے

ناشر

مکتبۂ اسلام ۲/۵۴، ۱۷ محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ یوپی۔ انڈیا

عقیدت کے پھول

اے میرے نبی صدق وصفا!

(گزشتہ شمارہ میں جناب نعیم صدیقی کی ایک حمد شامل اشاعت تھی اس شمارہ میں درج ذیل نعت پیش خدمت ہے جس میں شاعر نے محسن انسانیت ﷺ کے حضور اپنا دردِ دل پیش کیا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہر حساس دل کی کامیاب ترجمانی کی ہے۔)

اے میرے نبی صدق وصفا! جب دل پہ شب غم چھاتی ہے
اور دل کی شب غم میں کوئی جب برقِ بلا لہراتی ہے
اور برقِ بلا جب بن کے گھٹا بارانِ شرر برساتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!

اے میرے نبی صدق وصفا!
جب چاندی کے بت خانوں میں انساں کے لہو کی بھینٹ چڑھے
نشہ ہو مہنتوں پر طاری، ہر بت کا قد کچھ اور بڑھے
ان بت خانوں میں چیخ کوئی جب گونج کے دل دہلاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے

اے میرے نبی صدق وصفا!
دیں جھوٹ گواہی دیتا ہے جب سچ کا غازہ رخ پہ ملے
کرتا ہے امامت کفر یہاں جب تقویٰ کی محراب تلے
طاغوت کی جب بے باک ہنسی غیرت کو ضرب لگاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!

اے میرے نبی صدق وصفا!
بن باپ کے عاجز بچے جب افلاس کے گھر میں پلتے ہیں
اور ان کے افسردہ چہرے جب پیٹ کی آگ میں جلتے ہیں
کچھ جھوٹی امیدوں سے ان کو جب بیوہ ماں بہلاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے

اے میرے نبی صدق وصفا!
عشرت کی پری کے غمزے جب ہر عزم کو گھائل کرتے ہیں
جب ترک سفر پہ راہی کو، رہبر ہی مائل کرتے ہیں
تہذیب بشر کش اٹھلا کر ہر موڑ پہ جب بہکاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے

اے میرے نبی صدق وصفا!
جب مہرِ خُمِ مے کھلتی ہے اور رند بہکنے لگتے ہیں
جب صندل کے ترشے ہوئے بت محفل میں تھرکنے لگتے ہیں
ہر شمع سسک کر بجھتی ہے، آہوں کا دھواں پھیلاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!

اے میرے نبی صدق وصفا!
جب تخت بچھاتے ہیں اپنا، نمرود نئے شداد نئے
شمشیریں جب لہراتے ہیں، مقتل میں کھڑے جلاد نئے
نازک سے ضمیر انساں پر، سل جبر کی جب لد جاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!

اے میرے نبی صدق وصفا!
جب حرفِ نگفتہ درپسِ لب اک انگر بن کے دہکتا ہے
قرطاس سے شعلے اٹھتے ہیں، خامہ سے خون ٹپکتا ہے
اظہار کی حسرت بھنا کر اپنا ہی کلیجہ کھاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے

اے میرے نبی صدق وصفا!
جب دردِ تضادِ قول وعمل رگ رگ کے فزوں ہوجاتا ہے
جب زہرِ نفاقِ پنہاں سے غایات کا خوں ہوجاتا ہے
غداری کے بازاروں میں جب حب وطن بک جاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!

اے میرے نبی صدق وصفا!
ماحول کی چکی میں پڑ کر جذبات مرے جب پستے ہیں
ایمان کو چوٹیں لگتی ہیں، جب زخم تمنا رستے ہیں
صدہا فتنوں کے گھیرے میں جب طبع حزیں گھبراتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!

اے میرے نبی صدق وصفا!
جب ساتھی سب کھوجاتے ہیں، جب میں تنہا رہ جاتا ہوں
انجانے دکھ کی لہروں میں بے بس ہو کر بہ جاتا ہوں
جب سہمی سہمی میری خودی لہروں میں غوطے کھاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے

نعیم صدیقی مرحوم

تجاویز فکری وتربیتی کیمپ برائے حفاظت دین، ندوۃ العلماء

۲۵/۲۶/۲۷ رذی الحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۷/۱۸/۱۹ رفروری ۲۰۰۴ء

ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ایک سہ روزہ فکری و تربیتی کیمپ برائے حفاظت دین کا انتظام کیا جس میں دارالعلوم کی متعدد شاخوں کے مدرسین نے حصہ لیا۔ پروگرام کی افتتاحی تقریب میں مندوبین اور حاضرین جلسہ سے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی مدظلہ نے خطاب فرمایا، مندوبین کے لئے عیسائیت وقادیانیت وغیرہ پر محاضرات کے علاوہ مطالعہ اور مناقشے بھی پروگرام میں شامل تھے۔ اپنے مقاصد کے لحاظ سے یہ پروگرام بہت کامیاب رہا مندوبین کو کچھ ضروری تعارفی لٹریچر بھی شعبہ کی جانب سے دیا گیا جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ، مولانا حکیم سید عبدالحیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صاحب کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن ازہری، مولانا ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی وغیرہ کی کتابیں اور کتابچے بھی شامل ہیں۔

اس تربیتی کیمپ کے آخری روز کے جلسہ میں درج ذیل تجاویز پاس ہوئیں:

۱- چونکہ ساری دنیا کے علمائے اسلام اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے، لہذا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ کے ائمہ مساجد سے تعلق پیدا کرکے ان کے ذریعہ سے مناسب ومہذب الفاظ میں علماء کے اس فیصلہ کے اعلان کا اہتمام کرے گا۔

۲- یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ کے ہر پڑھے لکھے مسلمان تک جو زبان وہ جانتا ہے اس زبان میں اس کو ایک پمفلٹ پہنچائے گا جس میں قادیانیت کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہو۔

۳- یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اسے قادیانی متاثر کررہے ہیں اس سے رابطہ قائم کرکے ہمدردی اور دلی قلق کے ساتھ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

۴- یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ جو شخص قادیانیت اختیار کرے گا، اور پھر افہام وتفہیم کے باوجود باز نہ آئے گا تو مسلمانوں سے اپیل کی جائے گی کہ اس کا مکمل مقاطعہ کریں۔

۵- یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قرب وجوار کے غریب مسلمان بچوں کا جائزہ لے کر ان کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر کرے گا، اور ایسے نادار بھائیوں پر حتی الامکان توجہ دے گا جن کی غربت کے سبب قادیانی ان کو اپنا شکار بنا رہے ہیں۔

۶- یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں پر نظر رکھے گا اور ان کے ذریعہ سے جس مسلمان کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جائے اس سے رابطہ قائم کرکے اس کی غلط فہمیاں دور کرے گا۔

۷- یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں تحریک ہندوتو سے مسلمانوں کو آگاہ کرے گا اور تحریک ہندوتو میں جو باتیں ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہیں اور اسلام مخالف ہیں ان سے ان کو اجتناب کی تلقین کرے گا۔

۸- یہ جلسہ ندوۃ العلماء سے متعلق مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے ادارہ میں ادیان باطلہ کی رد میں حصہ لینے والے مدرسین کو سہولتیں مہیا فرمائیں۔

☆☆☆

ممبئی کی
مشہور ومعروف
مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص بیسہ لڈو۔
ودیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

طہورا سوئیٹس®

بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی- ۴۰۰۰۰۸
☎ ۲۳۰۹۱۳۱۸_۲۳۰۸۲۷۷۳

مذہب اور ذات وبرادری کی بنیاد پر ملک وملت میں تفریق پیدا نہ کرنے کا عہد

امارت شرعیہ میں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام کا خطاب

عزت مآب صدر جمہوریہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ:

''انسانی خدمت ایک الٰہی خدمت ہے اور عام لوگوں کے دکھ درد، مصیبت وتکلیف اور پریشانیوں کو دور کرنا سب سے بڑی عبادت ہے، امارت شرعیہ سماج کے پسماندہ طبقوں کے لئے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر راحت رسانی کا کام انجام دے رہی ہے، مجھے اس ادارے میں حاضری پر دلی مسرت ہورہی ہے اور میں خراج عقیدت پیش کر رہا ہوں ان بزرگ ہستیوں اور شخصیتوں کو جن کی مذہبی وروحانی قیادت سے یہ ادارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے، یہ دور جدید سائنس وٹکنالوجی کا دور ہے اور کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی، جب تک کہ وہ حالات حاضرہ کے ترقی یافتہ وسائل سے فائدہ نہ اٹھائے اس وقت طبی جانچ کے لئے نئی مشین اور آلات کی ایجاد ہوچکی ہیں، ڈاکٹر صاحبان کو ان سے مکمل فائدہ اٹھانا چاہئے اور مریضوں کی مکمل وجلد صحت یابی کی تدابیر اختیار کرنی چاہئے، کیوں کہ مریض کے دلوں کو جیتنا اور ان کی نفسیاتی وذہنی الجھنوں کو دور کرنا بھی انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔ طلبہ محنت سے تعلیم حاصل کریں، دس ناخواندہ افراد کو تعلیم وتہذیب سے آراستہ کریں، سماجی برائیوں کو مٹانے کی جدوجہد کریں، سچ بولیں، ایفاء عہد کریں، غیر انسانی حرکتوں سے باز آئیں، مظلوموں کے دکھ درد میں شریک رہیں اور وعدہ کریں کہ ہم ذات، برادری اور مذہب کی بنیاد پر ملک وملت میں تفریق پیدا نہیں کریں گے، سارے انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور مخلوق کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بہتر انسان وہ ہے جو عام لوگوں کو نفع پہنچائے پس تم اس حدیث کا نمونہ بنو۔''

صدر جمہوریہ ہند کا خیر مقدم کرتے ہوئے حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ آج کا دن ہمارے لئے انتہائی مسرت اور خوشی کا دن ہے کہ ہم بہار کے اس تاریخی خطہ پھلواری شریف کے قدیم ادارہ امارت شرعیہ میں آپ کا پورے جذبۂ احترام کے ساتھ استقبال کررہے ہیں، آپ کی زندگی ایمانداری، محنت اور اخلاص سے آگے بڑھنے کی ایک مثال اور بہترین نمونہ ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو پیغام دیا کہ تعلیم کے ہی ذریعہ غربت، افلاس اور پسماندگی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، عزت وخوش حالی کی زندگی حاصل کی جاسکتی ہے لہٰذا ملک میں تعلیم کو شہر سے دیہاتوں تک پھیلانے کی ضرورت ہے، صنعتی اداروں کی ضرورت پہلے سے اب زیادہ محسوس ہورہی ہے۔ جب تک ایمانداری اور سچائی کو نہیں پھیلایا گیا تو ملک میں روحانی اور اخلاقی قدریں ترقی نہیں کرسکتیں۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں کہا کہ امارت شرعیہ ایک مذہبی وتعلیمی اور فلاحی ادارہ ہے جس کو ہندوستان کے علماء ومشائخ کے مشورے سے ۱۹۲۱ء میں ممتاز عالم دین، مجاہد آزادی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے قائم کیا تھا اور اجلاس کی صدارت عظیم اسکالر مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف ملک آزاد ہو بلکہ آزادی کے بعد مسلمان ایک ممتاز ملت کی حیثیت سے ایک امیر کے ماتحت رہ کر ملک وملت کی بہتر خدمات انجام دیں، اس کے مقاصد میں مسلمانوں کو ایمان کی پختگی کے ساتھ عمل صالح اور انسانیت کی خدمت، ملک کی ترقی اور عوام کی بھلائی کے لئے کام کرنا ہے، امارت شرعیہ نے ملک میں امن وامان اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی جدوجہد کی ہے اور امن وانصاف کا پیغام دیا ہے اور حق کی آواز بلند کرنے میں کوتاہی سے گریز کیا ہے، یہ ایک تحریک ہے جس کا مقصد مذہبی رہنمائی، اتحاد ویکجہتی کا قیام، آپسی جھگڑوں کو شریعت کی روشنی میں حل کرنا، بھلائی اور اچھی باتوں کو پھیلانا، ملک وقوم کی فلاح، کمزوروں کی مدد، سماج کی اصلاح اور بچوں، نوجوانوں اور عام لوگوں میں تعلیم کا فروغ اور اخلاقی قدروں کو پیدا کرنا ہے، ان مقاصد کے لئے مختلف شعبے امارت شرعیہ میں قائم ہیں اور ہر شعبہ سرگرم عمل ہے۔ تعلیم کے میدان میں ''سب کے لئے تعلیم'' کے اصول پر نرسری و ہائی اسکول کی تعلیم کے ساتھ ٹیکنیکل اور اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لئے جو ادارے قائم کئے گئے ہیں، ان میں گیارہ سو سے زائد گاؤں کے مکاتب، چار ماڈل اسکول اور دو بڑے مدرسے، آٹھ ٹیکنیکل ادارے ہیں ایک سو بہتر دینی مدارس کی نگرانی بھی اس کے ماتحت ہے، ان سب میں تقریباً ایک لاکھ طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، دینی وعصری تعلیم کے لئے غریب طلبہ کو وظائف، محتاج وبے سہارا لوگوں کی امداد، آفات ارضی وسماوی کے موقع پر خصوصی انسانی خدمت و مدد، نادار لڑکیوں کی شادی میں تعاون، مریضوں کی طبی امداد ان کا خاص کام ہے، سماجی ودینی زندگی میں اٹھنے والے سوالوں کے شرعی جواب کے لئے دارالافتاء اور معاشرتی جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے چالیس دارالقضاء قائم ہیں، دو اسپتال عام انسانوں کی بیماریوں کی علاج کے لئے پھلواری شریف اور جمشید پور میں قائم ہیں۔

جہاں آپ تشریف فرما ہیں اس کے بائیں جانب آئی ٹی آئی اور کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ واقع ہے اور دائیں طرف امارت شرعیہ کا مرکزی دفتر اور اسپتال قائم ہیں، ایم ایم رحمانی پارامیڈیکل انسٹی ٹیوٹ کی نئی عمارت کے افتتاح سے آئندہ پیتھولوجی کی تعلیم کے ساتھ ریڈیولوجی اور فیزیوتھراپی ڈگری کورس کی تعلیم ان شاء اللہ شروع ہوگی۔ ہم آپ سے اس سمت میں رہنمائی اور تعاون چاہتے ہیں اور اخیر میں آپ کا پھر دل کی گہرائیوں کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ☆☆☆

(۱۴ ؍فروری کو امارت شرعیہ میں آمد کے موقع پر)

2235857
22486080(O)

MMS Since 1980

M.MATEEN & SONS

(DHAGEY WALEY)

Dealers In:

Staple & Cotton

Fast Dyed Embroidry Yarn,

Cotton Waste Yean

& Guarnted Fast Dyers

28/1, Gali Parcha, Chowk, LUCKNOW-226003

2226657

Fit & Co.

Since : 1916

Specialist in Suits & Sherwanis

Near Sardar Sons, at Nazirabad, Lucknow

تعمیر حیات

تعمیر حیات ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے

اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں

بمبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گذارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتے پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

Tea Merchants

44, Haji Building, S.V. Patel Road,
Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele: Add CUPKETTLE Tel.: 3460220, 3468708
Tel. (R) 3095852

۲ نمبر اور ۱۲×۱۲ کی اسپیشل چائے استعمال کیجئے

مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسائل ومجلات ایک نظر میں

	رسائل	سن آغاز	زر تعاون: اندرون ملک	زر تعاون: بیرون ملک
۱	ماہنامہ البعث الاسلامی (عربی)	۱۹۵۵ء	۲۰۰ روپے	۳۰ ڈالر
۲	پندرہ روزہ الرائد (عربی)	۱۹۵۹ء	۷۵ روپے	۲۵ ڈالر
۳	پندرہ روزہ تعمیر حیات	۱۹۶۳ء	۱۵۰ روپے	۳۵ ڈالر
۴	انگریزی سہ ماہی Fragrance	۱۹۹۸ء	۱۰۰ روپے	۲۵ ڈالر
۵	ہندی ماہنامہ سچا راہی	۲۰۰۱ء	۱۰۰ روپے	۲۵ ڈالر

ان رسائل ومجلات کے ساتھ آپ کا تعاون فکری تعمیر وشعور کی تربیت کے مشن میں تعاون ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ: پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ لکھنؤ